ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی ؒ

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

[390] اکتوبر 2021

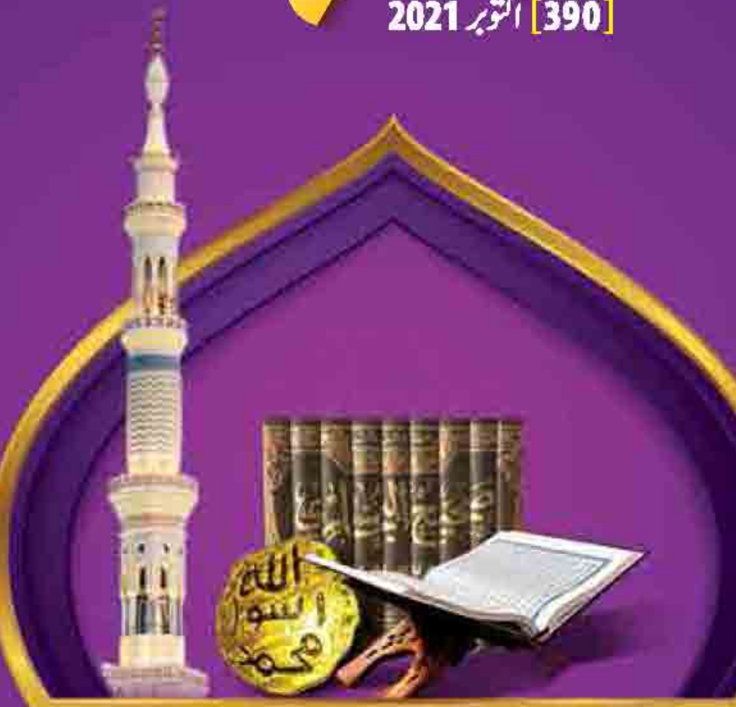

4 طالبان اور عالمی اتحاد

23 وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

69 عورتوں کا لباس اور جنسی تشدد

جامعہ لاہور الاسلامیہ

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

مجلس التحقیق الاسلامی

تبلیغ دین کے لیے مجلس التحقیق الاسلامی کی عظیم الشان

ویب سائٹس

فنی معاونت	علمی معاونت	زیرنگرانی	زیرسرپرستی
انجینئر محمد شاکر اعوان	قاری مصطفیٰ راسخ	ڈاکٹر حافظ انس نضر	ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی
انجینئر عمیر حسن راجہ	قاری خضر حیات	ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی	ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

محدث
Mohaddis.com

محدث لائبریری
Kitabosunnat.com

محدث فتویٰ
UrduFatwa.com

محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com

محدث فورم
Forum.Mohaddis.com

خصوصیات

- اسلامی کتب، مضامین اور فتاویٰ کے لیے مقبول ترین اور روزانہ اپڈیٹ ہونے والی ویب سائٹس۔
- اسلامی لٹریچر اور شرعی مسائل کے لیے دنیا بھر سے ملنے والے مطالبوں کی تکمیل
- یومیہ مناسبت کے مطابق خصوصی مضامین
- تمام ویب سائٹس اردو زبان میں
- تمام ویب سائٹس پر تبصرے وجائزے اور تجاویز وشکایات کی سہولت

جاری پروگرام

محدث
Mohaddis.com
احادیث نبویہ کا عظیم ذخیرہ، ترجمہ اور تحقیق وتخریج کی سہولت کے ساتھ

محدث لائبریری
Kitabosunnat.com
- یومیہ 3 کتب کا اضافہ (PDF)
- حالات کی مناسبت سے اہم مضامین

محدث فتویٰ
UrduFatwa.com
- تمام سلفی مطبوعہ فتاویٰ جات کی اپ لوڈنگ (نئے پیش آمدہ مسائل کے فوری جوابات)

محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com
47 سال کے مطبوعہ تمام شمارے
(Unicode / PDF)

محدث فورم
Forum.Mohaddis.com
موضوعات: 34,261 ترسیلات: 279,857
اراکین: 4930

یومیہ 25000 وزیٹر
ہر لمحہ 3000 قارئین

مستقبل کے منصوبے

- محدث بلڈ بنک
- محدث یونیکوڈ لائبریری
- رسائل وجرائد سیکشن
- محدث آڈیو، ویڈیو سیکشن

ماہانہ اخراجات سوا تین لاکھ روپے

زیر اہتمام: مجلس التحقیق الاسلامی 99-J ماڈل ٹاؤن، لاہور
Mobile:+92 322 7222288
anasnazar99@gmail.com

Account: kitabosunnat.com, 0093-01875659, Bank AlFalah, Urdu Bazar, Lahore Swift Code: ALFPKKA093

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مُحدِّث

لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی ﷫

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

جلد 52 — اکتوبر 2021ء / ربیع الاول 1443ھ — عدد 02

مجلس مشاورت

▪ مولانا ارشاد الحق اثری ﷫ ▪ ڈاکٹر محمد حماد لکھوی ▪ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد
▪ ڈاکٹر حافظ انس نضر ▪ ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی ▪ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

فہرست مضامین

فکرونظر — عبدالرحمن عزیز

طالبان اور عالمی اتحاد — 4

طالبان اور امریکہ کے درمیان معاہدہ امن اور افکار معاصرین — 9

الکتاب والحکمۃ — مدیر اعلیٰ

وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد — 23

السنہ والحدیث — ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی

کِتَابُ التَّوحِیدِ (کا بقیہ) — 39

قانون و قضا — ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی

تحکیم (ثالثی) اور عدالتی فیصلہ کا فرق — 60

تہذیبِ اسلامی — ذوالفقار علی چیمہ

عورتوں کا لباس اور جنسی تشدد — 69

تاریخ و سیر — ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

روپڑی رمدنی خاندان کے فکروعمل کے امتیازات — 80

مدیرِ معاون
عبدالرحمن عزیز

مینیجر
محمد اصغر 0305-4600861

زرسالانہ =/300 روپے
فی شمارہ =/60 روپے

بیرون ملک
زرسالانہ =/20 ڈالر
فی شمارہ =/4 ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No: 984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
99جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700
042-35866396, 35866476

Email:
irc@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore.

Islamic Research Council

محدث کتاب وسنت کی روشنی میں آزادانہ بحث وتحقیق کا حامی ہے لہٰذا ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!

طالبان اور عالمی اتحاد

کیا افغانستان تین سپر پاورز کا قبرستان ہے؟

افغانستان کے متعلق جو کچھ ہم دیکھ، سن اور پڑھ رہے ہیں، وہ ملت اسلامیہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کا تسلسل ہے جیسا کہ سیرۃ رسول ﷺ کے ابتدائی مرحلہ میں عیسائیوں کی مشرکین سے شکست کے بعد پھر مشرکین پر فتح اور غزوہ بدر کی کامیابی پر مسلمانوں کی فرحت وانبساط کا نقشہ قرآن مجید سورۃ الروم میں یوں کھینچا گیا ہے:

الٓمٓ (١) غُلِبَتِ الرُّومُ (٢) فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ (٣) فِي بِضْعِ سِنِينَ لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ (٤) بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ [الروم: ١-٥]

رومی قریبی علاقہ میں مغلوب ہوگئے ہیں لیکن وہ دوبارہ چند سال میں ہی غالب آجائیں گے کیونکہ اول و آخر اللہ تعالیٰ کا حکم ہی نافذ ہو کر رہتا ہے۔ انہی دنوں جب اللہ کی نصرت خاص سے غزوہ بدر کی کامیابی بھی ہوگئی تو مسلمان دونوں فتوحات پر شادمان ہوں گے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اپنی نصرت عطا کرتے ہیں اور وہ ہمیشہ کے لئے زبردست اور مہربان ہے۔

سقوط کابل سے صرف افغان جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا جو امریکا اور نیٹو وغیرہ نے بیس سال پہلے ایک مستقل ریاست اور باضابطہ حکومت کے خلاف شروع کی تھی، بلکہ ١٠ محرم ١٤٤٣ھ (١٩ راگست ٢٠٢١ء) کو امارت اسلامیہ کی بحالی کی نوید پر اس صدی کے اختتام کا اعلان ہے جسے 'امریکا کی صدی' کہا جاتا ہے۔ افغان طالبان کا کابل پر کنٹرول سنبھالنا اور امریکا کا معاہدے میں طے شدہ وقت سے بھی پہلے افراتفری کے عالم میں اپنی فوجوں کو وہاں سے نکالنا اس کی سپر پاور والی حیثیت کے خاتمے کا باضابطہ اعلان ہے۔

امریکی ظلم وستم کی طویل تاریخ بڑی لرزہ خیز ہے، بیسویں صدی کی دوسری جنگ عظیم میں امریکا نے ٦ اگست ١٩٤٥ء کو جاپان کے صنعتی شہر 'ہیروشیما' اور ٩ راگست کو اس کے دوسرے صنعتی شہر 'ناگاساکی' پر دنیا کا پہلا ایٹمی بم گرایا تھا۔ جس میں ایک اندازے کے مطابق سوا دو لاکھ انسان ہلاک ہوگئے تھے۔ ایٹم بم کے تابکاری اثرات کی وجہ سے آج بھی وہاں بہت سے بچے پیدائشی اپاہج ہوتے ہیں۔ یہ دنیا میں امریکا کی سپر پاور بننے

کا آغاز تھا۔

اس کے بعد امریکا نے UNO کے ذریعے دنیا کو کنٹرول کرنے کے لیے طاقت، دہشت اور قتل و غارت کے جو ہتھیار بے دریغ استعمال کیے، ان کے مناظر ہم کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں۔

امریکا گزشتہ ۷۶ سالوں سے انقلابی تحریکوں کے بہانے جس طرح افراد اور حکومتوں کا غلط سمبل دکھا کر تیسری دنیا کو سیاسی اور اقتصادی غلامی کا طوق پہنانے کے لئے کوشاں ہے، اس کا راز بھی عیاں ہے۔ ماضی قریب کی پانچ جنگیں امریکہ کے لئے کلنک کا ٹیکہ ثابت ہو چکی ہیں، جن میں کوریا، ویت نام، خلیجی جنگ، عراق اور افغانستان تو معروف ہیں جبکہ ان پر صومالیہ، یمن اور لیبیا وغیرہ کی جنگیں اضافہ ہیں۔

امریکا ویت نام کے خلاف جنگ میں کود تو گیا، لیکن ویت نامی عوام اور جنگ جوؤں کا مقابلہ نہ کر سکا اور ۳۰ اپریل ۱۹۷۵ء کو بدترین شکست کے بعد وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

پھر اکتوبر ۱۹۹۳ء میں صومالیہ کے دار الحکومت 'موغادیشو' پر حملہ آور ہوا تو اس کا مقصد صرف صومالیہ کے جنرل محمد فرح اور اس کے حواریوں کو پکڑنا تھا لیکن امریکی فوج کو محمد فرح کی ملیشیا کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ موغادیشو کی سڑکوں پر مردہ امریکی فوجیوں کی گھسیٹنے کی ویڈیوز وائرل ہوئیں تو امریکی عوام یہ منظر برداشت نہ کر سکے۔ کچھ ہی وقت کے بعد سپر پاور امریکا نے وہاں سے بھی اپنی فوجوں کی واپسی کا اعلان کر دیا۔

افغانستان کی 'امارت اسلامیہ' کو تباہ کرنے کے لئے ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کا ڈرامہ تراشا گیا تو امریکا میں چار طیارے اغوا ہوئے، جن میں سے دو طیارے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی فلک بوس عمارت سے ٹکرائے اور ایک پینٹاگان کے ایک حصے پر گرا جبکہ ایک طیارہ صحرا میں تباہ کر دیا گیا۔ امریکا نے اس کا الزام 'اسامہ بن لادن' پر عائد کیا، حالانکہ تفتیش و تحقیق سے اسامہ کا اس میں ملوث ہونا ابھی تک ثابت نہیں ہو سکا، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسامہ کے پاس یہ صلاحیت ہی نہیں تھی کہ وہ امریکا میں اتنی بڑی کارروائی کرے۔ محققین نے بہت سارے ایسے سوالات اٹھائے ہیں جو اشارہ کرتے ہیں کہ یہ کارروائی امریکہ کے کارندے کی تھی، لیکن امریکہ نے آگے بڑھ کر اس کا ذمہ دار 'اسامہ' کو قرار دے دیا اور اس وقت اسامہ افغانستان میں تھا جہاں طالبان کی حکومت تھی۔

جب امریکا نے طالبان سے اسامہ کی گرفتاری اور امریکہ کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تو طالبان نے اسامہ کے خلاف ثبوت مہیا کرنے کی بات کی تا کہ امارت اسلامیہ کی عدالتیں اسامہ کے مجرم ہونے کا فیصلہ کر سکیں۔

چنانچہ امریکا نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے پلیٹ فارم کو استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کی نام نہاد دہشت گردی کے خاتمے کے ایجنڈے پر دنیا کو جمع کر لیا، اور اسلامی ممالک کے لئے اعلان کر دیا کہ اس مہم میں

جو ہمارا ساتھ نہیں دے گا وہ ہمارا دشمن ہو گا۔ "ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں" والی ضرب المثل مشہور ہے، لہذا دنیا کے ۴۴ ممالک نے امریکا کا ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ ۷/ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکی صدر جارج بش کے عالمی اتحاد نے افغانستان کی باضابطہ حکومت کے خلاف 'اعلان جنگ' کر دیا کہ 'افغانستان میں دہشت گردوں کے اڈوں اور طالبان کی حکومت کو کچلنا ہے'۔ ۴۴ ممالک کی فوجیں امریکی جلوے میں تھیں اور عالم کفر کی خفیہ ایجنسیاں کتوں کی طرح ایک ایک دروازہ سونگ رہی تھیں، جس پر ذرا بھی شک پڑتا، اسے اٹھا کر 'گوانتاموبے جیل' میں ڈال دیا جاتا۔ دہشت گردی کی اس جنگ میں اٹھائے گئے لوگوں کے بنیادی حقوق اس طرح معطل کر دیئے گئے کہ دنیا کی کوئی عدالت بھی ان کی درخواست تک نہیں سن سکتی تھی۔

اس طرح پوری دنیا کی حکومتیں، فوجیں اور ایجنسیاں امریکا کے ہم رکاب ہو گئیں۔ سب مل کر ایک چھوٹے سے ملک اور کمزور حکومت پر امڈ پڑے، جو ساتھ تھا وہ تو ساتھ تھا ہی لیکن جو ساتھ نہیں تھا اس میں بھی اس اقدام کو غلط کہنے کی جرأت نہ تھی، دہشت کا یہ عالم تھا کہ محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے رستے میں آنے والی ہر چیز کچل دی جائے گی، لیکن اللہ پر اعتماد کرنے والے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر دور رس نگاہ رکھنے والے اس وقت بھی کہہ رہے تھے کہ بالآخر امریکا ہزیمت اٹھائے گا اور انجام افغانوں کے حق میں ہو گا۔

اس وقت تو طالبان پسپا ہو گئے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے خود کو پھر سے منظم کیا اور غیر ملکی افواج کے خلاف چھاپہ مار کارروائیاں شروع کر دیں۔ اس عرصے میں دوسرے ممالک بھی 'آتش نمرود' میں اپنے حصے کا ایندھن ڈالتے رہے۔

حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکا نے اتحادیوں کے ساتھ مل کر ۲۰ مارچ ۲۰۰۳ء کو عراق پر بھی چڑھائی کر دی۔ صدام کو گرفتار کیا اور تین سال کے بعد اسے عید کے دن پھانسی دے دی گئی تاکہ عراق شیعہ کمیونٹی کے حوالے کیا جاسکے۔

۲۰۱۱ء میں فرانس، برطانیہ، امریکا، کینیڈا اور یورپ کے دوسرے طفیلی ملکوں نے مل کر 'عوامی جمہوریہ لیبیا' پر فضائی حملے شروع کر دیے۔ اطلاعات کے مطابق قذافی حکومت کے خلاف جن گروہوں نے بغاوت شروع کی تھی ان گروہوں میں سابق شاہ ادریس کے کچھ قبائلی اور 'القاعدہ' کے نام پر امریکی لڑاکا شامل تھے جن کی سربراہی کرنے والا امریکی "سی آئی اے" کا کارندہ تھا۔

عراق کے 'صدام' اور لیبیا کے 'قذافی' کی گرفتاری نے جونئر بش کو صدارت کی دوسری مدت کا الیکشن جیتنے کا موقع مہیا کیا، لیکن مجاہدین کی استقامت نے سپر پاور کو تھکا دیا تو اس کے اتحادی آہستہ آہستہ ساتھ چھوڑنے

لگے۔ اقوام متحدہ نے اپنے فوجی واپس بلا لیے اور امریکا کے اندر ان جنگوں کے خلاف عوام اٹھ کھڑے ہوئے۔ اگلا الیکشن 'بارک حسین اوبامہ' نے جنگوں کو ختم کرنے کے نعرہ پر جیتا۔ عراق اور لیبیا سے تو فوجیں واپس بلا لی گئیں، لیکن افغان مجاہدین نے امریکا کو افغانستان سے اپنی فوجیں نکالنے کا موقع نہ دیا۔ ان کا زور توڑنے کے لیے امریکی صدر براک اوباما نے ۲۰۰۹ء میں افغانستان میں امریکی فوجیوں کی تعداد ایک لاکھ کر دی، لیکن وہ بھی افغان مجاہدین کو سرنگوں نہ کرسکے۔

اسی دوران امریکی ایجنسیوں نے ایبٹ آباد میں 'اسامہ بن لادن' پر حملہ کر کے اسے اگلے جہاں پہنچا دیا، جس سے 'اوباما' کو اگلا الیکشن جیتنے میں آسانی ہو گئی۔

رونالڈ ٹرمپ نے بھی جنگیں ختم کرنے کے نام پر الیکشن لڑا اور کامیاب ہو گیا۔ اس نے طالبان کے ساتھ مذاکرات کا ڈول ڈالا، بعض وجوہات کے سبب ان میں تعطل بھی آتا رہا، بالآخر ۲۹ فروری ۲۰۲۰ء کو باہمی معاہدہ پر دستخط کر کے امریکا کی جان چھوڑائی تو امریکی افواج کا انخلاء 'جو بائڈن' کے عہد میں ہوا۔

افغان جنگ میں امریکی فوج کو ۲۳۰۰ جانوں کا نقصان ہوا جبکہ ساڑھے بیس ہزار فوجی زخمی ہوئے، باقی (N ATO وغیرہ) کے ۱۲۰۰ فوجی ہلاک ہوئے۔

افغانستان میں اقوام متحدہ کے معاونتی مشن کے مطابق ۲۰۰۹ء سے جب منظم طریقے سے شہریوں کی ہلاکتوں اور زخمیوں کے اعداد و شمار ہوئے تو اب تک ۳۲۰۰۰ سے زیادہ شہری ہلاک ہو چکے تھے اور زخمیوں کی تعداد ۶۰ ہزار تھی، جبکہ جنوری ۲۰۱۹ میں افغان صدر اشرف غنی نے کہا تھا کہ ۲۰۱۴ء سے اب تک ۴۵ ہزار افغان سکیورٹی اہلکار ہلاک ہو چکے ہیں۔

براؤن یونیورسٹی میں قائم واٹسن انسٹی ٹیوٹ کے تخمینے کے مطابق طالبان کے ۴۲ ہزار جنگجو ہلاک ہو چکے ہیں۔ امریکی وزارت دفاع کے مطابق افغانستان میں اکتوبر ۲۰۰۱ء سے مارچ ۲۰۱۹ء تک فوجی اخراجات ۷۶۰ ارب ڈالر ہوئے، جنگ کے اختتام پر چوتھے امریکی صدر جو بائڈن نے کہا کہ افغان جنگ پر روزانہ ۳۰ کروڑ ڈالر خرچہ ہوتا رہا ہے۔

افغان مجاہدین طویل ترین جد وجہد کے بعد ایک صدی میں تیسری سپر پاور کو شکستِ فاش دینے میں کامیاب ہوئے، اس طرح افغانستان نے تین سپر پاورز (برطانیہ، روس اور امریکا) کو شکست دے کر (سپر پاورز کا قبرستان) بنانے کا اپنا ٹائٹل برقرار رکھا۔

۱۹۹۰ء میں دریا "آمو" پار کرتے ہوئے روس کے آخری ٹینک کی تصویر کھینچنے والے تقریباً تیس سال بعد

۳۰ر اگست ۲۰۲۱ء کو امریکا کے آخری فوجی اور آخری جہاز کی افغانستان سے نکلنے کی تصویر دنیا کو بھیج رہے تھے۔

ع بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

اب امریکا سمیت پوری دنیا کے دفاعی تجزیہ کار تبصرے کریں اور پی ایچ ڈی اسکالرز اپنی تحقیقات کا نچوڑ پیش کریں کہ دنیا کی جدید ترین جنگی ٹیکنالوجی افغان مجاہدین کے سامنے کیونکر فیل ہو گئی؟

افغان باقی، کہسار باقی الحکم اللہ، الملک اللہ

یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ طالبان نے واضح طور پر عاشورہ محرم کے موقع پر 'امارت اسلامیہ' کا اعلان کیا تو شهر الله المحرم کی روشنی میں محرم کے آخری دن عبوری حکومت کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ الحادی اور لبرل دنیا میدان حرب و ضرب میں شکست فاش کھانے کے بعد اب ان مساعی کو بروئے کار لا رہی ہیں کہ کم از کم امارت اسلامیہ کو 'جمہوریت' کے بجائے 'شریعت' نافذ کرنے سے روکا جاسکے۔ [پاکستانی پریس اور الیکٹرانک میڈیا بشمول روزنامہ نوائے وقت ۲۱ر اگست ۲۰۲۱ء] حالانکہ ۲۹ فروری ۲۰۲۰ء کو دوحہ (قطر) میں فریقین (امریکا اور افغان طالبان) کے درمیان جس امن معاہدہ پر دستخط کیے گئے ہیں، اس کے عنوان میں ہی USA اور "امارت اسلامیہ" کا نام موجود ہے جبکہ دو سالہ ٹیبل ٹاک میں امریکا نے انہی طالبان کو برابر کی قوت تسلیم کر کے علی الاعلان معاہدہ کیا۔

۲۹ فروری ۲۰۲۰ء کے معاہدے میں واضح طور پر افغانستان میں طالبان کی 'امارت اسلامیہ' کا ذکر موجود ہے، اسی لئے طالبان نے اب افغانستان کا نام ہی "جمہوری ریاست افغانستان" کی بجائے "امارت اسلامیہ" کا اعلان کیا ہے۔ بعض واقفان حال کے بقول یہ دو لفظ ختم کرانے کے لیے امریکا نے بڑا زور لگایا تھا کہ افغانستان میں طرز حکومت لادین جمہوریت ہو تاکہ جمہوریت اور لادینیت کی بجائے شریعت کا نفاذ نہ ہو لیکن طالبان نے یہ دونوں مطالبے مسترد کر دیے کیونکہ انہوں نے افغانستان کی آزادی مخالفین کی تمام تر سازشوں اور قوتوں کے باوجود 'جہاد' سے حاصل کی ہے جبکہ کسی بھی ریاست یا حکومت نے ان کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ عالم کفر کے خوف سے اسلامی حکومتیں بھی ابھی تک افغانستان کی نئی حکومت کو ماننے کے لئے انتظار کر رہی ہیں۔ (عبد الرحمٰن عزیز)

طالبان اور امریکہ کے درمیان معاہدہ امن اور افکار معاصرین

اصل متن (اردو ترجمہ) اس کا تجزیہ اور تبصرہ

حافظ محمد نعیم علوی

تین سپر پاورز (برطانیہ، روس، امریکہ) کے بالمقابل افغانستان کی حیثیت 'لڑا دے ممولے کو شہباز سے' والی ہے، لیکن اب یہ حقیقت بن چکی ہے اس کا تجزیہ اور تبصرے بھی ایک تاریخ بنے گی جو "للہ الامر من قبل و من بعد" کی تصدیق کرتی رہے گی۔ چونکہ یہ امن معاہدہ دو چار سالہ مذاکرات کے نتیجہ کے طور پر معرض وجود میں آیا ہے اور اس کے مستند متن کے لئے پشتو، دری اور انگریزی ہی قانونی حیثیت رکھتی ہے لیکن ہماری قومی زبان اردو ہے اس لئے ہم اس کی ترجمانی اردو زبان میں پیش کر رہے ہیں جبکہ اس مقالے سے متصل بعد انگریزی متن بھی ہدیہ قارئین ہے (محدث)

طالبان (امارت اسلامی افغانستان) اور امریکہ کے مابین ہونے والا امن معاہدہ ۲۹ فروری ۲۰۲۰ء ان چار شقوں پر مبنی ہے۔

① امن معاہدہ اس بات کا ضامن ہے کہ افغان سرزمین کو امریکہ یا اس کے اتحادیوں کی سکیورٹی کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ (کسی فرد یا گروپ کی جانب سے افغان سرزمین امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف استعمال نہیں کی جائے گی)۔

② معاہدہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ افغانستان سے تمام غیر ملکی افواج کا انخلا ایک خاص وقت کے اندر یقینی بنایا جائے گا۔

③ عالمی گواہوں کی موجودگی میں مکمل انخلا کی ضمانت دیے جانے کے بعد یہ یقینی بنایا جائے گا کہ افغان سرزمین کو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کیلئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ امارت اسلامی کو امریکہ نے بطور ریاست تسلیم نہیں کیا اور انہیں طالبان کے نام سے پہچانا جاتا ہے اس لیے

طالبان یقینی بنائیں گے کہ ۱۰ مارچ ۲۰۲۰ سے انٹرا افغان مذاکرات شروع کریں۔

④ انٹرا افغان مذاکرات کے ایجنڈے کی ایک دفعہ مستقل سیز فائر ہوگی اور اس کے شراکت دار اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ مستقل سیز فائر پر بات چیت کر کے اس پر مشترکہ طور پر عملدرآمد کریں اور افغانستان کے مستقبل کا سیاسی روڈ میپ تیار کریں۔ دستاویز میں واضح کیا گیا ہے کہ معاہدے میں مذکور چاروں شقیں ایک دوسرے سے باہم جڑی ہوئی ہیں، جن پر ایک مخصوص عرصے میں مشترکہ شرائط پر عملدرآمد یقینی بنایا جائے گا، پہلی دو شقوں پر عملدرآمد سے آخری دو شقوں کا رستہ نکلے گا۔

معاہدہ حصہ اول

امریکہ پر عزم ہے کہ افغانستان سے اپنی اور اپنے اتحادیوں کی ساری فوج کو نکالے گا، امریکہ اس بات کا بھی پابند ہے کہ وہ افغانستان سے تمام غیر سفارتی سویلینز، پرائیویٹ سکیورٹی کنٹریکٹرز، ٹرینرز، مشیر اور سپورٹنگ سروس کے لوگوں کو معاہدے کے اعلان کے بعد ۱۴ ماہ میں نکالے گا، اور اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقدامات اٹھائے گا۔

A: امریکہ اور اس کے اتحادی پہلے ۱۳۵ دنوں میں مندرجہ ذیل اقدامات اٹھائیں گے۔

۱۔ وہ امریکی فوجیوں کی افغانستان میں تعداد کم کر کے ۸۶۰۰ کر دیں گے اور اتحادیوں اور نیٹو فورسز کی تعداد میں بھی مرحلہ وار کمی کریں گے۔

۲۔ امریکہ، اس کے اتحادی اور نیٹو پانچ فوجی چھاؤنیاں مکمل طور پر خالی کر دیں گے۔

B: معاہدے کے دوسرے حصے میں امارت اسلامی افغانستان جنہیں طالبان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ امریکہ، اتحادی افواج اور نیٹو فورسز مندرجہ ذیل اقدامات اٹھائیں گے۔

۱۔ امریکہ، اس کے اتحادی اور نیٹو فورسز باقی کے ساڑھے نو ماہ کے دوران اپنی ساری افواج افغانستان سے نکال لیں گے۔

۲۔ امریکہ، اسکے اتحادی اور نیٹو فورسز باقی بچ جانے والی فوجی چھاؤنیوں سے اپنے تمام فوجی نکال لیں گے۔

C: امریکہ باہمی اعتماد کی فضا قائم کرنے کیلئے جنگجو اور سیاسی قیدیوں کو تمام فریقوں کی رضامندی سے فوری طور پر رہا کروائے گا۔ ۱۰ مارچ ۲۰۲۰ کو انٹرا افغان مذاکرات کے پہلے دن طالبان کے ۵ ہزار سے زائد اور دوسری جانب کے ایک ہزار قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا، فریقین نے تین ماہ کی مدت میں تمام قیدیوں کی

رہائی پر رضامندی ظاہر کی ہے، رہائی پانے والے طالبان بھی اس معاہدے کے پابند ہوں گے یعنی امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

D: جب انٹرا افغان ڈائیلاگ کا آغاز ہو گا تو امریکہ، طالبان رہنماؤں پر حالیہ پابندیوں اور ارکان امارات اسلامیہ کے خلاف عائد الزامات کا جائزہ لے کر ۲۷ اگست ۲۰۲۰ء تک یقینی بنائے گا کہ ایسی کارروائیوں کو ختم کر دیا جائے۔

E: انٹرا افغان مذاکرات شروع ہونے پر امریکہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے رکن ممالک سے سفارتی روابط قائم کرے گا اور ۲۹ مئی ۲۰۲۰ء تک یہ یقینی بنائے گا کہ اقوام متحدہ کی جانب سے طالبان رہنماؤں پر عائد پابندیوں کا خاتمہ کیا جائے۔

F: امریکہ اور اس کے اتحادی افغانستان کی علاقائی سلامتی اور سیاسی آزادی کے لیے خطرہ نہیں بنے گا اور اس پر کوئی حملہ نہیں کرے گا اور نہ ہی افغانستان کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کرے گا۔

امن معاہدہ حصہ دوم

امن معاہدے کے اعلان کے ساتھ "امارت اسلامی افغانستان" جسے متحدہ ریاست ہائے امریکہ نے بحیثیت ریاست تسلیم نہیں کیا اور وہ طالبان کے نام سے جانے جاتے ہیں، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی سلامتی کیلئے خطرہ بننے والے القاعدہ اور دیگر گروہوں کو روکنے کیلئے مندرجہ ذیل اقدامات اٹھائیں گے۔

۱ طالبان اپنے کسی رکن، کسی دوسرے شخص یا گروپ کو جس میں القاعدہ بھی شامل ہے افغانستان کی سرزمین امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی سلامتی کے خلاف استعمال نہیں کرنے دیں گے۔

۲ طالبان ان تمام گروپوں کو جو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی سلامتی کے لیے خطرہ بنیں انہیں واضح پیغام دیں گے کہ ان کیلئے افغانستان میں کوئی جگہ نہیں ہے، طالبان اپنے ارکان کو اس بات کی ہدایت کریں گے کہ وہ کسی بھی ایسے گروپ یا شخص کے ساتھ تعاون نہ کریں جو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی سلامتی کیلئے خطرہ بنیں۔

۳ طالبان امریکہ اور اس کے اتحادیوں کیلئے خطرہ بننے والے تمام گروپوں یا شخصیات کو نہ تو ٹریننگ دیں

گے، نہ ہی انہیں چندہ جمع کرنے دیں گے اور نہ ہی ایسے لوگوں کو بھرتی کریں گے اور نہ ہی معاہدے میں طے پائی شرائط کے مطابق ان کی میزبانی کریں گے۔

۴ طالبان ان لوگوں کو جو افغانستان میں سیاسی پناہ چاہتے ہیں عالمی قوانین مہاجرت کے تحت دیکھیں گے اور ایسے لوگوں کو پناہ نہیں دیں گے جو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کیلئے خطرہ بنیں۔

۵ طالبان ان لوگوں جو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی سلامتی کیلئے خطرہ بنیں کو پاسپورٹ، ویزہ، سفری اجازت نامے یا دیگر قانونی کاغذات فراہم نہیں کریں گے۔

امن معاہدہ حصہ سوئم

۱ امریکہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے درخواست کرے گا کہ وہ اس معاہدے کی تائید کرے۔

۲ امریکہ اور طالبان انٹرا افغان مذاکرات کے بعد بننے والی اسلامی حکومت کے درمیان بہتر تعلقات قائم کریں گے۔

۳ انٹرا افغان مذاکرات کے بعد بننے والی نئی حکومت کے ساتھ مل کر امریکہ افغانستان کی تعمیر نو میں مالی تعاون کرے گا اور اس دوران افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔

یہ معاہدہ ۲۹ فروری ۲۰۲۰، بمطابق ۵ رجب المرجب ۱۴۴۱ ہجری کو دوحہ قطر میں سائن کیا گیا ہے، اس کو پشتو، دری اور انگلش زبان میں لکھا گیا ہے اور تمام زبانوں میں لکھی گئی تحریریں ایک جیسی مستند ہیں[1]۔

نوٹ: چونکہ بعض حضرات سیکولر قوتوں سے مرعوب ہونے کی بنا پر اس مغالطہ میں ہیں کہ معاہدہ ہذا میں 'انسانی حقوق' اور 'خواتین کے تحفظ' کی ایسی ضمانت دی گئی ہے جو 'لادین قوتوں' کی تعبیر اور نعرہ بازی کی مؤید ہے، لہذا یہاں روزنامہ 'جنگ' کے اینکر جناب انصار عباسی کی ایک خبر مع تبصرہ (۱۹ راگست ۲۰۲۱ء) ملاحظہ ہو:

اسلام آباد (انصار عباسی) طالبان اور امریکا کے درمیان فروری ۲۰۲۰ء میں قطر کے دارالحکومت دوحہ میں

1 https://www.state.gov/wp-content/uploads/۲۰۲۰/۰۲/Agreement-For-Bringing-Peace-to-Afghanistan-۰۲،۲۹،۲۰.

ہونے والے معاہدے میں امریکا پہلے ہی اتفاق کر چکا ہے کہ افغانستان میں اسلامی حکومت ہوگی جس کے امریکا اور اس کے اتحادیوں کے ساتھ مثبت تعلقات ہوں گے۔

اسی معاہدے کے تحت، امریکا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ افغانستان کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔ کھل کر جو پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اس کے برعکس، معاہدے میں مستقبل کے افغانستان میں حقوق انسانی کی کوئی بات تھی اور نہ خواتین کے حقوق کے حوالے سے کوئی ذکر۔

تاہم، معاہدے کے تحت طالبان اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ وہ کسی بھی شخص یا گروپ کو افغانستان کی سرزمین امریکا اور اس کے اتحادیوں کیخلاف استعمال ہونے نہیں دیں گے۔

امریکا نے بھی اتفاق کیا تھا کہ وہ اور اس کے اتحادی افغانستان کیلئے خطرہ بننے سے گریز کریں گے اور اس کی علاقائی ساکھ یا اس کی سیاسی آزادی کیخلاف طاقت استعمال کریں گے اور نہ ہی اس کے داخلی امُور میں مداخلت کریں گے۔

اگر دونوں فریق دوحہ معاہدے کے تحت اپنے وعدوں پر قائم رہے، جو اب تک نظر بھی آرہا ہے، تو امریکا نہ صرف افغانستان کی اسلامی حکومت کو تسلیم کرے گا بلکہ افغانستان کی تعمیر نو میں اس کی مدد بھی کرے گا۔ معاہدے کو طالبان کی فتح اور امریکا کی شکست کے طور پر دیکھا جارہا ہے۔ معاہدے کے حصہ اول میں امریکا نے وعدہ کیا تھا کہ وہ افغانستان سے اپنی افواج نکال لے گا۔

دوسرا حصہ طالبان کے وعدوں کے متعلق ہے کہ افراد، گروپس بشمول القاعدہ کو افغانستان کی سرزمین امریکا یا اس کے اتحادیوں کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کیلئے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

تیسرے حصے میں کہا گیا ہے کہ امریکا اور طالبان مثبت تعلقات قائم کریں گے اور توقع ظاہر کی گئی ہے کہ دونوں کے درمیان تعلقات کا تعین انٹرا افغان ڈائیلاگ کے تناظر میں قائم کیے جائیں گے جو مثبت ہوں گے۔ اسی حصے میں کہا گیا ہے کہ امریکا افغانستان کی اسلامی حکومت کے قیام کے بعد تعمیر نو میں تعاون کرے گا اور افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔

کابل حکومت کے اچانک تحلیل ہو جانے اور افغان صدر اشرف غنی کے بھاگ جانے کے بعد طالبان نے ملک کا کنٹرول سنبھال لیا اور اب انہوں نے اعلان کیا ہے کہ وہ سب کو ملا کر ساتھ چلیں گے اور حکومت بنائیں گے۔ ابھی یہ واضح نہیں کہ طالبان کے علاوہ اور کون سے سیاسی گروپس نئی حکومت کا حصہ ہوں گے؟ لیکن طالبان نے یہ واضح کر دیا ہے کہ نئی حکومت اسلامی ہوگی۔

ممکن ہے کہ کئی لوگ یہ چاہتے ہوں گے کہ نئی حکومت سیکولر خیالات کی پاسداری کرے اور انسانی اور حقوق نسواں کیلئے مغربی معیارات پر عمل کرے لیکن امریکا نے دوحہ معاہدے میں پہلے ہی اسلامی حکومت کے قیام پر اتفاق کر لیا ہے اور اس معاہدے میں کہیں بھی انسانی حقوق یا پھر حقوق نسواں کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کی بجائے، امریکا پُر عزم ہے کہ وہ افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔

معاہدہ ۲۹ فروری ۲۰۲۰ کا تجزیہ اور تبصرہ

مذکورہ بالا معاہدہ پر عملداری شروع ہو چکی ہے اور فریقین جس طرح آگے بڑھ رہے ہیں اس کا برابر جائزہ بھی لیا جارہا ہے تاہم اسلام دشمن قوتیں اس انتظار میں ہیں کہ افغانستان کے اندر کوئی ایسی پھوٹ پڑ جائے جس کے بہانے بیرونی مداخلت کا موقع میسر آئے۔ ہماری نظر میں فتنہ کے دو پہلو زیادہ اہم ہیں:

۱۔ نام نہاد عالمی اتحاد کو مسلمانوں میں سیاسی ولسانی وغیرہ کی صورت تقسیم کر کے وہی ''تورا بورا'' جیسی تباہی کا ''بہانہ'' پھر دے دیا جائے۔

۲۔ اُن میں فرقہ ورانہ تقسیم کا ہتھکنڈا استعمال کر کے عالمی اتحاد کو اسی طرح نہ مذہبی جنگ بنا دیا جائے جس طرح صلیبی جنگی ہتھیار مقدس جنگ کے نام سے استعمال کیا گیا۔

مسئلہ: چونکہ اس معاہدے میں طالبان کا نام امارت اسلامیہ آیا ہے اس لئے 'امارت اسلامیہ' اور اس کے بالمقابل اسلامی جمہوریہ / دولت اسلامیہ (Islamic State) وغیرہ کا بنیادی مفہوم اور مختصر تجزیہ ضروری ہے کیونکہ طالبان کی اسلامی تحریک اور حکومت کے بالمقابل کئی اسلامی تحریکوں یا حکومتوں نے 'اسلامی جمہوریہ' اور 'دولت اسلامیہ' نام بھی رکھے ہوئے ہیں، لہٰذا ان ناموں کی شرعی اور قانونی حیثیت واضح ہونی چاہیے۔

جواب: (ا) اسلامیہ کا معنی اور مفہوم تو معروف ہے، البتہ امارۃ کے لفظ کا گہرا مفہوم عام دانشوروں سے مخفی ہے اگرچہ سنت وحدیث اور سیرت پر مبنی کتابوں میں بے شمار دفعہ 'امارۃ' کا ذکر ہوا ہے اور اسے پہلی دفعہ خلیفہ کا لفظ چھوڑ کر سیدنا عمر بن خطابؓ نے 'امیر المومنین' کا لقب اختیار کیا تھا، آج کل شاہ مراکش 'امیر المومنین' کہلاتا ہے، سعودی عرب کے تمام شہزادے ولی عہد سمیت 'امیر' کہلاتے ہیں، کویت کا حاکم بھی 'امیر کویت' کہلاتا ہے، جبکہ UAE کا ترجمہ بھی متحدہ عرب امارات ہے۔ کئی اسلامی ملکوں نے اسلامی

جمہوریہ کے ساتھ ریاست کا لقب اپنایا ہوا ہے مثلاً پاکستان اور لیبیا جمہوریت اور کئی خلیجی ممالک State کہلاتے ہیں جیسے State Of Qatar یا State Of Kuwait وغیرہ ریاستیں کہلاتی ہیں۔ عراق سے اٹھنے والے داعش دولت اسلامیہ (State Of Islam) کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ ان کا سربراہ 'امیر المومنین' کہلاتا ہے۔

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں سٹیٹ کے بجائے خلافت یا امارۃ وغیرہ کے الفاظ ہی استعمال ہوتے رہے ہیں۔ اگر اسی پس منظر میں طالبان نے خلافت کی بجائے 'امارۃ اسلامیہ' کا لفظ اختیار کیا ہے تو اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا۔

معاہدے کے تیسرے حصے کی شق نمبر ۲ میں کہا گیا ہے کہ 'ریاست ہائے متحدہ امریکا' اور 'امارت اسلامی افغانستان' آپس میں مثبت تعلقات قائم کریں گے اور چاہیں گے کہ 'ریاست ہائے متحدہ امریکا' اور 'امارت اسلامی افغانستان' باہم معاملات طے کرنے کے بعد بننے والی افغان اسلامی حکومت کے تعلقات اور بین الاقوامی مذاکرات کے نتائج مثبت ہوں۔

اسی حصے کی شق نمبر ۳ میں تحریر ہے کہ ریاست ہائے متحدہ (امریکہ) نئی افغان اسلامی حکومت جو بین الافغان مذاکرات اور تصفیہ کے بعد وجود میں آئے گی، اس کے ساتھ مالی تعاون جاری رکھے گا جبکہ اس کے اندرونی معاملات میں دخل انداز نہیں ہو گا۔

شق نمبر ۴: کیا قدیم طالبان سخت آزمائشوں اور قربانیوں کے بعد بدل چکے ہیں؟ یہ اُن کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے، کیونکہ افغانی مزاج آریا پار والا ہے اور فرقہ وارانہ اختلاف جب ابھرے گا تو ماضی کی طرح تشدّد اور مخاصمت کا رنگ اختیار کرے گا جو قتل وغارت پر منتج ہو گا۔ الأمان والحفیظ

اس معاہدے پر مرحلہ وار عمل درآمد کی صورت میں افغانستان میں طالبان کی حکومت قائم ہو چکی ہے، اس تمام منظر نامے کو ہمارے دانش ور کس نظر سے دیکھتے ہیں اور اس پر کیا تبصرہ کرتے ہیں؟ ایک نظر اس پر بھی ڈالیں، جو درج ذیل ہیں:۔

طالبان اور معاصر آرا... محتاط طالبان

افغانستان کی منظم تحریک طالبان نے جو کامیابی حاصل کی ہے اس پر بجا طور پر وہ مبارکباد کے مستحق

ہیں۔ افغان عوام نے اب کی بار نیٹو فوج کو شکست دی ہے اور اس سے قبل دنیا کی بڑی عالمی طاقت روس کو شکست دی تھی اور اس سے بھی پہلے انہوں نے انگریز استعمار کو شکست سے دوچار کیا تھا اور پھر جو فوج وہاں داخل ہوئی تھی ان میں سے صرف ایک فوجی، جو ڈاکٹر تھا اسے بھی زندہ اس لیے چھوڑا تھا کہ وہ دنیا کو انگریز فوج کے بارے میں بتا سکے کہ ان کے لیے افغانستان قبرستان بن گیا ہے۔ افغان عوام کی یہ طاقت اُس کی اسلام کے ساتھ محبت کی وجہ سے ہے۔ اللہ پر ایمان، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت، قرآن کریم کے ساتھ تعلق اور آزادی سے محبت کی بنیاد پر وہ ناقابل تسخیر قوم بن گئی ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ طالبان تو محض چند ہزار ہیں، ان کے جنگجو لاکھوں میں بھی نہیں ہیں، لیکن افغان عوام میں ان کی پذیرائی موجود تھی اور ہے۔ جمہور کی طرف سے بھرپور تعاون کے نتیجے میں ان کو یہ کامیابی ملی ہے اور اس بار تو کسی کے پاس کہنے کو یہ عذر بھی نہیں ہے کہ امریکہ کے مقابلے میں کسی اور طاقت نے ان کو سپورٹ کیا۔ اب کی بار تو ساری کامیابی کی شمع کو جلانے کے لیے انہوں اپنا خون پیش کیا ہے۔

دنیا بھی اس وقت حیران ہے کہ سب سے بڑی جنگی قوتیں کس طرح شکست سے دوچار ہو گئی ہیں، لیکن ظاہر ہے ایک طرف نظریہ اور شوقِ شہادت تھا اور دوسری جانب اسلحہ اور بارود کی آگ اور لوہے کی بارش تھی، تو نظریہ نے لوہے اور بارود کی آگ کو شکست دی ہے، اور جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ گلستان بنی تھی، اسی طرح لاکھوں ٹن بارود، یعنی 'جنگ عظیم دوم' سے زیادہ بارود یہاں استعمال کیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر وہی منظر دکھایا کہ 'بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق' تو پھر آگ بھی گلستان بن گئی ہے۔

گزشتہ بار جب طالبان نے کابل کا کنٹرول سنبھالا تھا اور ایک عبوری حکومت قائم کی تھی تو اس وقت وہ مسلسل حالت جنگ میں تھے۔ انہوں نے دنیا کو نہیں دیکھا تھا، ان کا اس حوالے سے کوئی تجربہ بھی نہیں تھا۔ دنیا کی دوسری تحریکوں کے ساتھ ان کا کوئی تعلق بھی نہیں تھا اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے خاص مزاج اور مقامی ثقافت کو وہاں لانے کی کوشش کی لیکن اب کی بار وہ خود کہتے ہیں کہ ہم بدل گئے ہیں۔ ہمارا رویّہ وہ نہیں ہے، ہماری سوچ وہ نہیں ہے اور ہم ماضی کی غلطیوں کو بھی نہیں دہرائیں گے۔ ظاہر ہے وہ 'قندھار' سے روانہ ہوئے اور چلتے چلتے کابل 'تک پہنچ گئے اور ان کو ایک آزاد ماحول میں فیصلے کرنے کا وقت بھی نہیں ملا۔ آپ نے دیکھا کہ اس پورے عرصہ میں 'ملا محمد عمر' سامنے بھی کبھی نہیں آئے تھے اور نہ ہی کابل میں حکمران کی حیثیت سے بیٹھے تھے۔ ایک گوریلا وار کے نتیجے میں سب کچھ ہوا لیکن اب کی بار طالبان کا رویہ بہت محتاط ہے۔ اس میں بہت کشادگی ہے، وسعت قلبی اور وسعتِ نظر ہے اور اچھا ہو گا کہ اگر وہ اسی تسلسل کو جاری بھی

رکھ سکیں۔ ساری دنیا کو اب تک انہوں نے 'حیران' کیا ہے کہ کس طرح جنگ میں پکڑے ہوئے لوگوں کو انہوں نے عزت دی: لوگوں کو نہ صرف معاف کیا بلکہ انہیں عزت کے ساتھ پیشکش کی کہ آپ بدستور ہمارے ساتھ رہیں اور اپنے ملک وملت کی خدمت کریں۔ انہوں نے دنیا بھر کے افغان عوام سے اپیل کی کہ واپس آکر اپنے ملک کی خدمت کریں۔ خواتین کے بارے میں جو ان کا نظریہ تھا، اس کو واضح کیا ہے کہ ان کے تعلیمی ادارے کھلیں گے اور شریعت کی حدود کے اندر وہ ہر وہ کام کر سکتی ہیں جن کی وہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ اب کی بار طالبان کا مزاج بہت زیادہ مثبت ہے اور پوری دنیا کو انہوں نے یہی پیغام دیا ہے کہ ہم دنیا کو ساتھ چلا سکتے ہیں، ہم قیادت کر سکتے ہیں، ہم اختلافی نکتہ نظر کو برداشت کر سکتے ہیں۔ یہ بہت ہی مثبت اقدام ہیں جن کو سراہا جانا چاہیے۔

سراج الحق امیر جماعت اسلامی پاکستان (بشکریہ جسارت سنڈے میگزین کراچی)

ایک نیا افغانستان

پورا ملک طالبان کے قبضے میں چلا گیا ہے، طالبان اور چین بھی ایک پیج پر ہیں، ایران نے بھی طالبان کے ساتھ صلح کر لی، افغانستان کے تمام 'اہل تشیع' نے طالبان کی حمایت کا اعلان کیا۔ ایران کے لئے اس سے بڑی فتح کیا ہو سکتی ہے کہ اب اس کی مشرقی سرحدیں مکمل طور پر محفوظ ہیں! پاکستان نے مہینوں پہلے افغانستان کے ساتھ اپنی سرحد بند کر دی تھی اور افغانستان کے اندرونی معاملات سے بالکل دور رہا۔ اس طرح طالبان اور پاکستان کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا نہیں ہوا۔

اس وقت امریکہ بھارت سے ناراض ہے کہ اس نے افغانستان کے معاملے میں اسے غلط گائیڈ کیا ہے۔ بھارت سے اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ وہ امریکہ کی کٹھ پتلی حکومت کو تحفظ فراہم کر سکے۔ بھارت نے تو الٹا وہاں اپنے تمام قونصل خانے بند کر دیے ہیں، اس نے اپنی اربوں ڈالر انوسٹمنٹ ضائع ہونے دی ہے کیونکہ وہ امریکہ کا انجام دیکھ چکا ہے۔

امریکہ نے اپنے سفارت خانے کو دو دن پہلے تمام اہم کاغذات جلا دینے کا حکم جاری کر دیا تھا، یعنی اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ افغانستان پر طالبان کی حکومت قائم ہونے والی ہے۔ امریکہ کے لئے سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ طالبان نے بغیر کسی لڑائی کے کابل پر قبضہ کر لیا یعنی 'اہل کابل' نے طالبان کو 'خوش آمدید' کہا ہے۔ طالبان نے بھی عام معافی کا اعلان کیا ہے۔ امریکہ کا خیال تھا کہ تقریباً چھ ماہ لگ جائیں گے طالبان کو کابل

میں داخل ہوتے ہوتے۔ امکان یہی ہے کہ چند دنوں میں امریکہ خود طالبان کی حکومت کو تسلیم کرلے گا کیونکہ یہ حکومت پہلے والے طالبان جیسی نہیں ہوگی، اب اس کا نظام حکومت سعودی عرب کے قریب قریب ہوگا۔ جتنی آزادی خواتین کو سعودی عرب اور ایران میں ہے، افغانستان میں امکان ہے کہ اس سے زیادہ ہوگی۔ قطر جیسی صورتحال ہوگی۔ بین الاقوامی قوانین کا پورا پورا احترام کیا جائے گا۔

طالبان نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے کسی رکن نے اگر کہیں کوئی انتقامی کارروائی کی تو اس کے خلاف باقاعدہ تحقیقات ہونگی اور جرم ثابت ہونے پر اسے سزادی جائے گی۔ طالبان کا کہنا ہے کہ اب ان کی حکومت ماضی کی طرح شدت پسند نہیں ہوگی، اعتدال پسند پالیسیاں وضع کی جائیں گی۔ جن کیلئے فریم ورک تیار ہو رہا ہے جس کا سب سے پہلا اظہار اس حکم میں نظر آتا ہے کہ کوئی شخص کسی وقت بھی ملک سے باہر جاسکتا ہے اور کوئی بھی شخص کسی وقت بھی ملک میں آسکتا ہے۔

منصور آفاق (صحافی ودانشور دنیانیوز)

فتح مکہ کی یاد تازہ

کابل میں طالبان کے پر امن داخلے، عام معافی اور امن کی ضمانت نے فتح مکہ کی یاد تازہ کی اور دنیا بھر کی ٹیکنالوجی سے لیس طاقتوں کو عملاً بتادیا کہ ایمان کی قوت کے آگے کوئی طاقت ٹھہر نہیں سکتی بشرطیکہ وہ ہر قربانی کے لئے تیار ہو، کاش ہم اور عالم اسلام اس معجزے سے سبق لے سکیں۔ کابل میں طالبان کے داخلے اور افغان صدارتی محل پر قبضے کے بعد افغانستان پر طالبان کا مکمل کنٹرول ہو گیا ہے، جبکہ افغان صدر اشرف غنی نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دینے کے بعد ہمسایہ ملک تاجکستان فرار ہونے میں ہی عافیت جانی ہے، پوری دنیا کے میڈیا کی نظریں اس وقت افغانستان پر مرکوز ہیں۔ (مفتی محمد تقی عثمانی)

سپر پاورز کا قبرستان

امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے بیس برس پہلے اسامہ بن لادن کو پناہ دینے کی پاداش میں 'امارت اسلامیہ افغانستان' پر چڑھائی کی تھی اور اپنی مرضی کی حکومت وہاں لا بٹھائی تھی۔ دنیا کی طویل ترین جنگ میں ہر طرح کا اسلحہ استعمال کیا گیا، ہزاروں ارب ڈالر جھونکے گئے، کٹھ پتلی حکومت کی فوج کھڑی کرنے کے لیے بھی دن رات جتن کیے گئے، لیکن دنیا نے یہ محیر العقول منظر دیکھا کہ سب سے بڑی سپر پاور کو بالآخر انہی کے ساتھ معاملہ کرنا پڑا، جن کو اس نے بزعم خود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اقتدار سے نکال باہر کیا تھا۔ صدر 'جارج بش'

نے جس "جارحیت" کا آغاز کیا تھا، صدر 'اوبامہ' اور 'ڈونلڈ ٹرمپ' سے ہوتے ہوئے وہ 'جو بائیڈن' کے سر پڑی اور انہوں نے یہ بوجھ اتار پھینکا۔

طالبان نے عام معافی کا اعلان کر کے نئی تاریخ رقم کر دی ہے، جن لوگوں کا خیال تھا کہ وہ خون کے دریا بہادیں گے، وہ انگشت بدنداں ہیں۔ فتح مکہ اور (صلاح الدین ایوبی کی) فتح فلسطین کے بعد مورخ کی آنکھ نے تیسری بار پر امن انقلاب کا نظارہ کیا ہے۔ غالب آنے والوں نے اپنے مخالفین بندوقوں کی باڑ کے سامنے کھڑے کئے ہیں، نہ انہیں پھانسیوں پر لٹکایا ہے، نہ 'گلوٹین' کیا ہے، نہ ان پر جیلوں کے دروازے کھولے ہیں۔ سب کا سب کیا دھرا بھلا دیا ہے، انہیں معاف کر دیا ہے، اور آگے بڑھنے کی دعوت دی ہے۔

شمالی اتحاد کے کئی رہنما یہاں آکر اپنے نقطہ نظر کا اظہار بھی کر چکے ہیں، وہ پاکستان جیسا ماحول اپنے ملک میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں کہ جہاں مختلف سیاسی اور مذہبی جماعتیں آزادانہ کام کر رہی ہیں، کسی کو کسی سے 'جان کی امان' درکار نہیں ہے۔

گزشتہ بیس سال کے دوران افغانستان کے جن عناصر نے حملہ آور فوجوں کا ساتھ دیا، ان کی سرپرستی میں حکومتی ڈھانچہ کھڑا کیا اور ان کے ساتھ مل کر اپنے آپ کو دوام بخشنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، ان سب کے حصے میں ناکامی آئی ہے۔ یہ درست ہے کہ افغانستان میں امن واستحکام باقی رکھنے کے لیے تمام عناصر کو شراکت کا احساس دلانا چاہئے، ایسا دستوری نظام وضع ہونا چاہئے، جس میں سب اپنا اپنا کردار ادا کر سکیں۔

مجیب الرحمٰن شامی (چیف ایڈیٹر روزنامہ پاکستان)

فتح، طالبان کے انکسار کی

یہ آہستہ آہستہ... اشرف غنی حکومت کو وقت دیتے دیتے کابل کے قریب آتے گئے تاکہ جو جانا چاہتا ہے وہ آسانی سے چلا جائے۔ جب یہ کابل کے داخلی راستوں کے نزدیک آگئے تو سجدے میں گرتے چلے گئے۔ آنکھوں میں آنسوئوں کی جھڑیوں نے داخلی راستوں کی زمین کو نم اور تر کیا۔ فاتح مکہ پیارے حضور ﷺ کی امت کے افغان حصے پر سلام ہو کہ وہ سجدے کرتے ہوئے داخل ہوئے: پہلا اعلان یہ تھا کہ سب کو معاف کر دیا، فتح مکہ میں فاتح مکہ رحمت دوعالم ﷺ کی سنت پر عمل کر دیا، وہ ایوانِ صدر میں داخل ہوئے تو وہاں رب کریم کے حبیب ﷺ کی سنت پر یوں عمل ہوا کہ سورہ 'نصر' کی تلاوت ہوئی، حضور ﷺ پر درود پڑھا گیا، یوں پیغام دیا گیا کہ فساد اور انتقام کا دور لد گیا۔

روسی دور کے پرانے مجاہد لیڈرز (اول) روس کے خلاف لڑے اور آپس میں بھی لڑتے رہے (دوم) روس کے نکلنے کے بعد وہ آپس میں لڑتے رہے (سوم) طالبان کے خلاف لڑتے رہے (چہارم) طالبان حکومت کے خاتمے پر وہ امریکہ کے ساتھ مل گئے اور طالبان مخالف کردار ادا کرتے رہے... آفرین ہے طالبان جیسے فاتحین پر کہ وہ 'فاتح' ہو کر بھی 'خاکسار' بن گئے، مہربان بن گئے، درگزر حوصلے اور برداشت کا شعار بن گئے، پہاڑوں والے کردار کے کوہسار بن گئے۔ اللہ کریم کے حضور دعا ہے کہ اے مولا کریم! ملت پاکستان اور ملت افغانستان کو آپس میں برادر بنا، امن اور خوشحالی عطا فرما؟ (امیر حمزہ، کالمسٹ، روزنامہ دنیا)

طالبان حکومت سازی، حق بہ حقدار رسید

طالبان سے یہ توقع کی جارہی تھی کہ وہ وسیع البنیاد حکومت بنائیں گے جس میں دیگر گروپوں کی مناسب نمائندگی ہو گی، لیکن طالبان کی سابق حکومت کی طرح اس بار بھی نوے فیصد سے زیادہ وزراء پشتون ہیں۔ یہ البتہ کہا جاسکتا ہے کہ طالبان نے اپنے کیڈر اور مڈل، لوئر رینکس کو مطمئن کیا ہے۔ مختلف گروپوں کو اچھے انداز میں اکاموڈیٹ کیا گیا۔ 'ملا حسن اخوند' کو 'سربراہ حکومت' بنایا گیا، وہ پرانے آدمی ہیں، ملا عمر کے قریبی ساتھی، مگر لو پروفائل رہنے کی وجہ سے خبروں سے دور تھے۔ تاہم اپنی جدوجہد، علم اور تقوے کی بنا پر 'ملا حسن اخوند' کی نامزدگی پر طالبان کی اندرونی دنیا میں کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ سراج حقانی کو وزیر داخلہ بنانا اور ملا یعقوب کو وزیر دفاع بنانا اہم فیصلہ ہے۔ پکیتا سے تعلق رکھنے والے سراج حقانی کو اہم وزارت ملی، سراج حقانی کے چار بھائی اس جنگ میں شہید ہوئے، انہیں وزیر داخلہ جیسی طاقتور سیٹ ملنا ان کی قربانیوں اور جدوجہد کا ثمر ہے۔ سراج حقانی کے چچا خلیل حقانی کو بھی وزیر بنایا گیا ہے۔ ملا برادر کو نائب وزیر اعظم بنایا گیا ہے۔ ایک لحاظ سے ان کے سائز کو کچھ کم کیا گیا۔ پہلے ملا برادر ہی افغان وزیر اعظم سمجھے جا رہے تھے، ان پر مگر ملا حسن اخوند کو ترجیح دی گئی۔ ملا برادر کے ساتھ ایک اور نائب وزیر اعظم بھی بنایا گیا، ایک لحاظ سے یہ اس عہدے کی قوت میں مزید کمی کا اشارہ ہے۔ یہ منصب ملا عبد السلام حنفی کو ملا ہے جو کہ نسلاً 'ازبک' اور طالبان تحریک کے پرانے ساتھی ہیں، ان کا تعلق شمال کے صوبے 'جوزجان' سے ہے۔ ملا عبد الحکیم حقانی کو اب وزارت قانون دی گئی ہے۔ وزارت خارجہ کے لئے 'شیر عباس ستانک زئی' کو کنفرم امیدوار سمجھا جا رہا تھا، وہ اچھی انگریزی بول لیتے ہیں اور عالمی سطح پر اچھا خاصا 'ایکسپوژر' رکھتے ہیں۔ انہیں بھی توقع سے کم عہدہ ملا۔ وزارت خارجہ کی ذمہ داری ملا امیر محمد متقی کو دی گئی: امیر متقی صاحب نرم خو آدمی ہیں، طالبان تحریک کے ابتدائی ساتھیوں میں سے ہیں، ملا

عمر کی حکومت میں وہ وزیر اطلاعات رہے تھے، مذاکراتی کمیٹی میں بھی یہ رہے ہیں۔ دیگر اہم وزارتوں میں 'ملا خیر اللہ خیر خواہ' کو اطلاعات کا وزیر بنایا گیا: یہ بھی پرانے طالبان رہنماہیں اور انہوں نے کئی سال تک 'گوانتانامو بے' میں جیل کاٹی، سابق طالبان دور میں یہ وزیر داخلہ بھی رہے۔ ملاہدایت اللہ بدری کو وزارت خزانہ دی گئی: ان کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ سابق طالبان دور میں زکوٰۃ جمع کرنے والی ٹیم کا حصہ تھے۔ طالبان کی نئی حکومت میں دو اہم چیزیں نظر آئیں: پرانے، تجربہ کار اور قربانیاں دینے والوں کو ترجیح دی گئی ہے، محاذ جنگ میں وقت گزارنے اور 'گوانتانامو بے' میں قید وبند کی سختیاں سہنے والوں کو افغانستان سے باہر وقت گزارنے والوں پر فوقیت دی گئی۔ طالبان کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا کہ 'منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے' آگے وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر طویل جدوجہد کی تھی۔ یہ ایک مثبت فیکٹر ہے۔ طالبان نے سردست دنیا کو مطمئن کرنے کے بجائے اپنی تنظیم، جنگجوؤں اور کمانڈروں کو خوش اور مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے۔

عامر خاکوانی (۹۲نیوز)

'امارت اسلامیہ' افغانستان 'انسانیت' کے لیے باعث رحمت ہے

ملت اسلامیہ پاکستان کی بھرپور تائید کا اعلان: متحدہ علماء کونسل کا اجلاس

زیر صدارت: مولانا ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی

لاہور (پ ر) (مختلف مسالک کے) جید علماء کرام کا افغانستان میں 'امارت اسلامیہ' کے قیام کی تائید پر اجلاس 'آسٹریلیا مسجد لاہور' میں خطبہ جمعہ کے بعد ہوا۔ اجلاس میں مولانا منیب الرحمن نعیمی، مولانا سراج الحق، مفتی تقی عثمانی، مولانا فضل الرحمن، مولانا عبد القیوم حقانی اور اعجاز الحق کے بیانات کی تائید کرتے ہوئے علماء کرام نے کہا کہ چند دنوں میں امریکہ کی تربیت یافتہ تین لاکھ افواج کا غرور خاک میں ملنا، رب کریم کی نصرت اور جذبہ ایمانی کا اظہار ہے۔ روس کی شکست کے برعکس اس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے 'مجاہدین افغانستان' کو جب کامیابی دی تو اس میں کسی اور حکومت کی تائید کا شائبہ بھی نہیں۔ طالبان قیادت نے کابل میں امن، سلامتی اور عام معافی کا اعلان کر کے اسلام کے پیغام 'سلامتی' کو ظاہر کر دیا ہے علماء پاکستان کو مجاہدین کی اس تاریخی کامیابی کے ساتھ قدم ملا کر چلنا چاہیئے۔ خطباء اور دینی تنظیموں کے مشترکہ اجلاسوں کے ذریعے نہ صرف افغان بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے

بلکہ طالبان قیادت سے ملاقات کر کے ان کی ہر طرح تائید کرنی چاہیے۔ علماء کرام نے پاکستانی میڈیا میں طالبان کے حوالے سے پروپیگنڈے اور 'مجاہدین' کی بجائے 'جنگجو' کی اصطلاح استعمال کرنے پر تنقید کی۔ مولانا عبد الرؤف ملک (ناظم متحدہ علماء کونسل) کی دعوت پر ہونے والے اجلاس میں: مولانا ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی، ڈاکٹر محمد امین، ڈاکٹر سرفراز احمد اعوان، حافظ عبد الغفار روپڑی، مولانا عمران طحاوی، ڈاکٹر حسن مدنی اور ڈاکٹر محمد سلیم سمیت بہت سے علماء نے حصہ لیا۔ طالبان سے کیے جانے والے 'دستور کے مطالبے' پر علماء نے کہا کہ قائد اعظم محمد علی جناح (کے خطابِ حیدر آباد، دکن، ۱۹۴۰ء) کی طرح طالبان کو 'قرآن مجید' (کے دستور ہونے) کا اعلان کر دینا چاہیے، تاکہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پروان چڑھے۔ 'امارت اسلامیہ' نے ۱۰ محرم (۱۴۴۳ھ) کو جس طرح اعلان کیا، اس سے مسلمانوں میں یکجہتی کا اظہار قابل تعریف ہے! طالبان کو حسب سابق اتحادِ ملی پر کوئی مفاہمت نہیں کرنی چاہیے اور ملت اسلامیہ بالخصوص عوام کو ان کی تائید اور دعاؤں میں پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔

ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی	عبد الرؤف ملک
معتمد اہل حدیث اتحاد کونسل	سیکرٹری جنرل متحدہ علماء کونسل پاکستان

نوٹ: امریکہ طالبان معاہدہ کا اصل انگلش متن مجلہ کے آخر پر ملاحظہ فرمائیں۔

(ادارہ)

وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

قرآنِ کریم کی دستوری حیثیت اور اس کا تاریخی ارتقاء

ترتیب: عبدالرحمن عزیز   افادات: ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی

امریکا نے نائن الیون کے حادثے کو بہانہ بنا کر جن جہادی قوتوں کو کچلنے کے لیے افغانستان پر حملہ کیا تھا، بیس سال کے بعد انہی کے ہاتھوں ہزیمت وشکست خوردگی کے زخم چاٹتے ہوئے بھاگا ہے، جنہیں مٹانے کا عزم لے کر ۴۴ ممالک کی افواج اور انٹیلیجنس ایجنسیز کا لشکر جرار آیا تھا اور پھر مزید ۲۰ سال اسلامی تہذیب اور افغانی اقتدار کو مٹاتے رہے، ایسی تمام تر جدوجہد کے بعد اسلام الإسلام يعلوا ولا يعلى.[صحيح البخاري، ترجمة الباب: ۷۹] بن کر اٹھا اور اب جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ. إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[الإسراء: ۸۱] کا نقارہ چار دانگ عالم میں بج رہا ہے۔ طالبان کی ایسی جان گسل محنتوں کے بعد امریکا اور طالبان کے درمیان جو معاہدہ ہوا، اس کے مطابق طالبان کو 'جمہوریت' کے بجائے 'امارت اسلامیہ' کے اعلان کا شرف حاصل ہوا۔

واضح رہے کہ مومنوں کو خوشی اور شادمانی کے لمحات میں ہر وقت چوکنا رہنے بھی کی ضرورت ہے، کیونکہ شیطانی قوتوں کو تا قیامت مہلت ملی ہوئی ہے۔ اب منافقت کا دور دورہ ہے، جیسا کہ قرآن مجید نے خبردار کیا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (۱۱۸) هَاأَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۱۱۹) إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا

وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (۱۲۰)[آل عمران: ۱۱۸ - ۱۲۱]

ترجمہ: مومنو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بنانا، یہ لوگ تمہاری خرابی میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کریں گے بلکہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں مشقت کا سامنا رہے۔ ان کی زبانوں سے تو بغض ظاہر ہو چکا ہے جبکہ جو کچھ ان کے سینوں میں مخفی ہے، وہ کہیں زیادہ خطرناک ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سنادی ہیں.... جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے، لیکن جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں، ان سے کہدو: اپنے غصے میں مر جاؤ! اللہ تمہاری دلی سازشوں سے خوب واقف ہے۔ اگر تمہیں آسودگی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں رنج پہنچے تو خوش ہوتے ہیں، لہٰذا اگر تم تکلیفوں کو برداشت اور نافرمانی سے کنارہ کشی کرتے رہو گے تو ان کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، یہ جو کچھ کرتے ہیں، اللہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

واضح رہے کہ اگرچہ امریکہ نے طالبان کے شکنجوں میں آئی اپنی گردن چھڑانے کے لیے ان کے بعض اہم مطالبے مان لیے ہیں، لیکن وہ افغانستان میں اسلامی نظامِ حکومت اور افغانی اقدار و تہذیب کو کسی صورت قبول نہیں کرے گا؟! اب سپر قوتوں کی یہ کوشش ہے کہ کسی طرح افغانستان کے اندر قبائلی اور فرقہ وارانہ ٹوٹ پھوٹ ہو جیسا کہ نوے کی دھائی میں بھی لسانی (پشتو اور فارسی) تفرقہ کی بناء پر طالبان کی حکومت کو مضبوط نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ امریکا اور اس کے حواریوں کا سب سے بڑا ہتھیار مسلمانوں کی 'فرقہ واریت' ہے۔ ان کا ہمیشہ یہی حربہ رہا ہے کہ وہ جہاں بھی قبضہ کرنا چاہتے ہیں، وہاں پہلے مذہبی، لسانی یا نسلی تفریق کے ذریعے قوموں کو کمزور کرتے ہیں پھر ان کے ملک وملت پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

چنانچہ معاہدے میں یہ مان لینے کے باوجود کہ امریکا افغانستان کے معاملے میں مداخلت نہیں کرے گا، اس کی پوری کوشش رہی کہ شمالی علاقہ جات کے فارسیوں اور جنوب کے پشتونوں کے درمیان لسانی مسئلہ کھڑا کر کے جنگ کا 'ڈرامہ' رچایا جائے، لیکن طالبان کی اتنی بڑی قربانیوں کی بنا پر رب العالمین نے رحم کرتے ہوئے اس فتنے کا ابتدائی خاتمہ تو کر دیا ہے جبکہ مستقبل کا خدا حافظ!

اب ان کی بھرپور کوشش ہے کہ دستور سازی کے بہانے مسلمانوں میں فرقہ بندی کو ہوا دی جائے اور عراق، شام، یمن اور لیبیا وغیرہ کی طرح یہاں بھی مذہبی اور مسلکی ہوّا کھڑا کر کے شیعہ اور

سنی وغیرہ کو باہم لڑایا جائے۔

ملت اسلامیہ کی تاریخ شاہد ہے کہ حکومتیں قومی ہوں یا رنگ ونسل اور لسانی دھڑوں پر مبنی، ان سب کو متحد کرنے کا واحد حل قرآن کریم کو 'دستور' تسلیم کر لینے کا اعلان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اسلامی مملکت کا دستور 'قرآن مجید' ہی تھا۔ چنانچہ جب دو شخص آپؐ کی خدمت اقدس میں اپنا کیس لے کر حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کرنے سے پہلے ہی بتادیا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ.[صحيح البخاری : ٢٧٢٤]

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تمہارے درمیان لازماً کتاب اللہ (اللہ کی شریعت) سے فیصلہ کروں گا۔

خطبہ حجۃ الوَداع میں نبی اکرم ﷺ نے جب اپنی امت کو زندگی کے اہم شعبوں کے لئے اسلام کی بنیادی تعلیمات کا نچوڑ پیش کیا تھا تو ان میں یہ ہدایت بھی شامل تھی:

«وَلَوِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللهِ، فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا».[صحيح مسلم:١٨٣٨]

اپنے حکمران کی اطاعت کرو خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، جب تک وہ تمھارے معاملات کو اللہ کی کتاب (قرآن) کے مطابق چلاتا رہے۔

یہ حقیقی اعلان تھا کہ اسلامی حکومت کا 'دستور' قرآن ہی ہوتا ہے جس کی رو سے فرد و معاشرہ ہو یا سیاست و معیشت کے معاملات، سب کا کتاب وسنت کے دائرے میں رہنا ضروری ہے، یہی نفاذ شریعت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد خلافت راشدہ کا آغاز ہوا، تو مملکت اسلامیہ کا دستور قرآن و سنت ہی تھا، بلکہ خلافت کا تصور ہی یہ ہے کہ وحی الٰہی (کتاب وسنت) کی پابندی کرتے ہوئے انتظام و انصرام اور جہاد و قتال وغیرہ حکمرانی کے تمام معاملات شرعی ہدایات کے مطابق انجام دیے جائیں۔

آں حضرت ﷺ کے بعد جب خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ منتخب ہوئے تو انہوں نے بیعت کے بعد پہلا خطبہ ارشاد فرمایا:

جب تک میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرنا لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت فرض نہیں ہے۔ اچھا اب جاؤ! نماز پڑھو، اللہ

تم پر رحم فرمائے۔[البدایہ والنہایۃ ۵/۲۴۸]

یہی قرآن وسنت کی دستوری حیثیت کا اعلان تھا گویا خلافت راشدہ کا آغاز 'قرآن وسنت' کو حکومتی دستور تسلیم کرنے کے ساتھ ہوا تھا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق نے بھی اپنے پہلے خطبے میں یہی اعلان کیا تھا اور اس میں یہ اضافہ بھی فرمایا تھا کہ میں کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ اپنے پیش رو خلیفہ کی روایات بھی قائم رکھوں گا، جبکہ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کی خلافت کا فیصلہ کرتے وقت متفقہ 'مجاز اتھارٹی' حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے جب حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت کا اعلان کیا تو ان کی بیعت اسی شرط پر کی تھی:

أُبَايِعُكَ عَلَى سُنَّةِ اللهِ وَرَسُولِهِ، وَالخَلِيفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهِ.[صحيح البخاری : ۷۲۰۷]

میں آپ کی بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ 'کتاب وسنت' کی پیروی کریں گے اور نبی ﷺ کے دو خلفاء ابو بکرؓ و عمرؓ کی روایات کی پاس داری رکھیں گے۔ اسے خلافتِ راشدہ بھی کہتے ہیں۔

ان کے بعد حضرت علیؓ (کرم اللہ وجہہ) نے بھی اپنی حکومت کی بنیاد اسی 'منہاج' کو قرار دیا تھا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت اور خلفائے راشدین کے فیصلوں کو اسلامی حکومت میں صرف راہ نما اصول یا ماخذِ قانون (Source of Law) کا درجہ حاصل نہیں ہے بلکہ خود کتاب وسنت بنیادی قانون اور دستور کی حیثیت رکھتے ہیں، آجکل کتاب وسنت کی اسی دستوری حیثیت کا انکار دستور و قانون سازوں کے ہاتھ میں قرآن وسنت سے انحراف کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ عہد نبوت سے لے کر 'اختتام خلافت' تک تمام اسلامی حکومتوں کا دستور 'قرآن مجید' رہا ہے۔ جس کی دائمی حتمی تعبیر 'سنت' ہے اُسے شریعت بھی کہتے ہیں۔

مزید وضاحت کے لئے چند خاص واقعات پیش ہیں حضرت حسن بن علیؓ نے جب اپنی حکومت امیر معاویہؓ کے سپرد کی تو یہی شرط لگائی تھی، اس صلح کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے پہلے دے دی تھی:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَى فَخِذِهِ وَيَقُولُ: «إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ ابْنِي هَذَا سَيِّدًا، وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يُصْلِحَ اللهُ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنْ أُمَّتِي».[السنن الكبرى للنسائي (۹/ ۱۰٤) حديث نمبر:۱۰۰۱۱]

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے ہیں، جبکہ

حضرت حسن بن علیؓ آپ کی ران پر بیٹھے ہیں، چنانچہ آپ فرمارہے تھے: مجھے امید ہے کہ میرا یہ بیٹا 'سردار' ہوگا اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے میری امت کے دو گروہوں میں صلح کرادے گا۔

حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ نے انتقالِ اقتدار کے جس معاہدے پر دستخط کیے تھے، اس کے متعلق تاریخ الحموی میں واضح طور پر لکھا ہے:

هذا ما صالح عليه الحسن بن علی بن أبی طالب ؓ معاوية بن أبی سفيان ؓعلى أن يسلم إليه ولاية أمر المسلمين على أن يعمل فيهم بكتاب الله و سنة نبيه ﷺ و سيرة الخلفاء الصالحين - [تاريخ الحموى :۷۷]

یہ وہ نوشتہ ہے جس پر حسن بن علیؓ نے معاویہ بن ابی سفیانؓ کے ساتھ مصالحت کی ہے، انہوں نے مسلمانوں کی ولایت و حکومت کو امیر معاویہؓ کے سپرد اس شرط پر کیا ہے کہ وہ مسلمانوں میں کتابِ الٰہی، اس کے رسولؐ کی سنت اور خلفاء راشدینؓ کے طریقے پر عمل پیرا ہوں گے۔

خلافت راشدہ کے بعد خلافت بنو امیہ اور خلافت بنو عباس میں بھی دستور 'قرآن' ہی تھا۔ جس کی دائمی تعبیر سنت رسولؐ ہے۔ خلافت عباسیہ کے دوسرے خلیفہ منصور کی امام مالک سے ملاقات میں 'قرآنی دستور' کی 'نئی تعبیر' متعین کرنے کا مسئلہ پیش آیا تو امام مالک نے ایسی کسی بھی 'دستاویز' کو تیار کرنے سے معذرت کرلی تھی پھر اس کے پوتے ہارون الرشید کو جب پتہ چلا کہ امام دار الہجرہ مالک بن انس نے سنت وحدیث پر مشتمل ایک اہم کتاب ترتیب دی ہے، تو اس نے حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی کتاب (موطا) کو ہی کعبہ شریف میں لٹکا کر پوری 'اسلامی خلافت' کے لئے اسے حتمی تعبیر قرار دے دوں؟ تو امام مالک نے فرمایا: اس میں احادیث رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ صحابہ اور تابعین کے اجتہادات بھی موجود ہیں، اس لیے میں قطعاً یہ نہیں کہہ سکتا کہ 'موطا' دستورِ قرآن کی مکمل تعبیر ہے گویا 'موطا' کو قرآن کریم کی حتمی تعبیر کے طور پر پوری 'اسلامی خلافت' میں تسلیم کرانا مناسب نہیں ہے۔ [الطبقات لابن سعد: ۹/ ۴۴۱]

اسی بناء پر امام مالک رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کرتے تھے:

كل أحد يؤخذ من قوله ويرد إلا صاحب هذا القبر _ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ _ هو من قول مالك رحمه الله، بل في الطبراني من حديث ابن

عباس ـــ رَضِيَ اللهُ عَنهُ ـــ رفعه: ما من أحد إلا يؤخذ من قوله ويُدَعُ .وأورده الغزالي في الإحياء بلفظ: ما من أحد إلا يؤخذ من علمه ويترك إلا رسول الله ـــ صلى الله عليه وسلم ـــ ومعناه صحيح.)[1] دوسرے الفاظ میں:ما من أحد إلا يؤخذ من قوله ويرد إلا صاحب هذا القبر.[البداية والنهاية:١٤/ ١٦٠]

ان عبارتوں کا خلاصہ (مفہوم) یہ ہے کہ کسی بھی شخص کی بات لی جاسکتی ہے اور رڈ بھی کی جاسکتی ہے سوائے اس قبر والے (نبی ﷺ) کے۔

حاصل یہ ہے کہ امام مالک اور دیگر ائمہ کے نزدیک قرآن کی دستوری حیثیت پر تو اتفاق تھا لیکن فقہاء اور قضاۃ کے مختلف فیصلوں کو وہ اسلامی مملکت میں مستقل تعبیر قرار دینا غلط سمجھتے تھے کیونکہ اس کی حتمی تعبیر صرف سنتِ رسولؐ ہے، جس کی جزوی تدوین کا ایک اچھا نمونہ 'موطا' ضرور ہے لیکن وہ کامل واکمل نہیں ہے۔

خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد سعودی عرب پہلا اسلامی ملک ہے جس نے ۱۹۲۴ء میں حجاز پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد جب باقاعدہ المملكة العربية السعودية کے نام سے ایک 'اسلامی مملکت' کی بنیاد رکھی تو اہم مسئلہ 'دستور' بنانے کا تھا، چنانچہ بعض مصری علماء اور قانون دانوں نے مشورہ دیا کہ ہم آپ کو ایک مثالی فقہ و قانون تیار کر دیتے ہیں جو کتاب و سنت کا جوہر ہو گا، لیکن شاہ عبد العزیز آل سعود نے یہ کہہ کر ان کی یہ تجویز مسترد کر دی کہ میں قرآن کو نافذ کر رہا ہوں، جس میں یہ جوہر پہلے ہی موجود ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لئے اللہ کی کلام 'قرآن' بحیثیت 'دستور' کافی ہے۔ جب UNO کی تشکیل کے بعد تمام رکن ممالک نے اپنے اپنے دساتیر UNO کو دیے تو وہاں سعودی عرب کے خانے میں قرآن مجید ہی رکھا گیا۔ اب تک شاہ عبد العزیز اور ان کی اولاد کتاب و سنت کی صورت میں اپنے زیر نگیں قبائل اور علاقوں کو متحد رکھتے ہوئے اپنے حکومتی نظام کو کامیابی سے چلا رہی ہے۔ اگرچہ جلالۃ الملک عبد العزیز آل سعود کے بیٹے 'ملک فہد' نے یکم مارچ ۱۹۹۳ء کو شیخ ابن باز اور شیخ محمد بن صالح العثیمین جیسے علماء کے مشورے سے 'نظام الحکم' کے نام سے اہم دستوری نکات کو تحریری شکل بھی دے دی ہے اور سعودی عرب کے شاہ فہد نے پہلی دفعہ جلالۃ الملک کے بجائے 'خادم الحرمین الشریفین' کا لقب اختیار کر لیا۔

---

[1] قال السخاوي في (المقاصد الحسنة:۳۲۷/ رقم:۸۱۵)

پچھلے دنوں سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان بن عبد العزیز نے اس بات کا اعادہ کرتے ہوئے کہا: مملکت کا آئین ہمیشہ کے لیے 'قرآن وسنت' طے ہو چکا ہے۔ ہم اپنے مملکت کے نظام الحکم کے روشنی میں ہی اپنے حکومتی نظاموں کو بہترین اجتہاد اور مصالح سے تشکیل دیتے رہیں گے۔ واضح رہے کہ سعودی عرب میں کتاب وسنت (شریعت) کا نفاذ تو 'تقنین' (Legislation) کے بغیر ہی ہے جبکہ وہ ذیلی قانون سازی کو 'نظام' کا نام دیتے ہیں، جنہیں ان کی مجلسِ شوریٰ (Parliment) طے کرتی ہے۔ سعودی عرب کی کئی جامعات میں رجالِ کار کی تیاری کے لئے کلیات الشریعة و الأنظمة جاری اور ساری ہیں۔

دنیا بھر میں جدید قانونی تصورات میں یہ مسلمہ امر ہے کہ کسی بھی دینی ریاست وحکومت کا دستور 'الہامی کتاب' ہی ہوتی ہے، اسی بنا پر یہودی ریاست 'اسرائیل' کا دستور 'تورات' ہی ہے۔

احباب بخوبی جانتے ہیں کہ تقریباً چالیس سال قبل ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی ﷾ نے مشہور قانون دان جناب ایس۔ ایم۔ ظفر اور مرحوم جسٹس بدیع الزمان کیکاؤس وغیرہ کے ساتھ مل کر نفاذ شریعت کے لئے علماء اور قانون دانوں کی ٹریننگ شروع کی تھی[1]، اب یہی انسٹی ٹیوٹ خادم الحرمین الشریفین کے مرسوم ملکی (Royal Edict) جاری ہونے کے بعد بین الاقوامی حیثیت اختیار کر چکا ہے

استقلالِ پاکستان کے لیے مسلمانانِ ہند نے جو تحریک شروع کی تھی، اس کی باگ ڈور نامور قانون دان مسلم لیگ کے صدر جناب قائد اعظم محمد علی جناح جو برطانوی سامراج کے ایکٹ (۱۹۳۵ء) کی رو

---

[1] ان مساعی میں ہائیکورٹ کی انتظامیہ نے ملکی حالات کا جائزہ لے کر ججوں وغیرہ کے لئے بین الاقوامی تعاون کی غرض سے ایک 'سکیم' بنائی تھی جسے جنرل محمد ضیاء الحق کو پیش کیا گیا تو انہوں نے غور وفکر کے لئے اسے ساتھ ہی رکھا۔ جب ان کے طیارے کا المناک حادثہ ہوا تو یہی 'سکیم' ان کے سامان میں سے جلنے سے بچ گئی تھی۔ چنانچہ ان کے جانشین صدرِ پاکستان جناب غلام اسحاق خاں سے ایک اہم وفد ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی ﷾ کی معیت میں جناب جسٹس گل محمد خاں اور جسٹس خلیل الرحمن خاں وغیرہ پر مشتمل صدرِ پاکستان سے ملا تو انہوں نے 'جج حضرات کی شرعی ٹریننگ' کی بجائے شریعت کی 'متفقہ دفعہ وار تقنین' پر زور دیا، اس موقع پر وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس جناب گل محمد خاں نے ایمان افروز الفاظ میں یوں جواب دیا کہ 'شریعت تو' وحی الٰہی' ہوتی ہے جو کتاب وسنت کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے، کیا ہم کتاب وسنت سے بہتر 'تعبیر دین' کی صورت کوئی 'فقہ وقانون' تیار کر سکتے ہیں'۔ اس جواب پر مجلس میں خاموشی چھا گئی۔

رو سے ۱۹۳۷ء میں انتخابات کا حشر دیکھ چکے تھے، نے جب حیدر آباد (دکن) ۱۹۴۰ء کے اہم اجتماع میں میں مجوزہ 'پاکستانی دستور' مسکت جواب دیا تو آپ نے 'دستور سازی' کی بجائے پاکستان کا دستور 'قرآن مجید' ہی کو قرار دیا تھا۔

بانی پاکستان قائد اعظم جناب محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس منعقدہ ۱۵ نومبر ۱۹۴۲ء میں خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا:

"مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرز حکومت کیا ہو گا؟ پاکستان کے طرز حکومت کا تعین کرنے والا میں کون ہوتا ہوں؟ مسلمانوں کا طرز حکومت آج سے تیرہ سو سال قبل 'قرآن کریم' نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا تھا۔ الحمدللہ! قرآن مجید ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔"

قائد اعظم مرحوم اس وقت دوہری مشکلات میں تھے: ایک برطانوی سامراج کا دستوری جبر اور دوسرا مسلمانوں کو متحد رکھنے کے لئے قرآن کی دستوری حیثیت۔ پاکستان کے گورنر جنرل کو برطانوی تاج کے نمائندہ ہونے کی یہ قانونی مجبوری ۱۹۵۶ء کے دستور تک رہی، اس کے بعد ہی گورنر جنرل کی بجائے 'صدر پاکستان' کا لقب اختیار کیا گیا۔ شریعت اور قانون سازی کی یہی مجبوری پاکستان کو ابھی تک 'نفاذ شریعت' میں حائل ہے

اگست ۴۴ء میں کانگرسی راہ نما گاندھی کو جو تفصیلی خط قائد اعظم نے تحریر کیا، اس میں کہا:

"قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے۔ اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوج داری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرضیکہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ وہ مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ امور حیات تک، روح کی نجات سے جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لے کر فرد کے حقوق و فرائض تک، اخلاق سے لے کر انسدادِ جرم تک، زندگی میں سزا وجزا سے لے کر عقبیٰ کی جزا و سزا تک ہر ایک فعل، قول، حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔"

۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی میں اخبارات کے نمائندوں سے بات کرتے ہوئے فرمایا:

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفا کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن کے احکام و اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ پارلیمنٹ کی، نہ کسی شخص یا ادارے کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و

معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدیں مقرر کر سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اسلامی حکومت: قرآنی احکام واصولوں کی حکومت ہے۔"

۶ دسمبر ۱۹۴۳ کو کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے ۳۱ویں اجلاس سے خطاب کے دوران قائد اعظم نے فرمایا تھا:

"وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان 'جسد واحد' کی طرح ہیں، وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے، وہ کون سا لنگر ہے جس پر امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر اللہ کی کتاب 'قرانِ کریم' ہے۔ مجھے امید ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، قرآنِ مجید کی برکت سے ہم میں زیادہ سے زیادہ 'اتحاد' پیدا ہوتا جائے گا۔ ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسول، ایک امت۔"

واضح رہے کہ قائد اعظم کے سامنے 'قرآن' ہی مسلمانوں کے اتحاد کا ضامن تھا۔ اس طرح انہوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء میں 'قرار دادِ پاکستان' سے 'تحریک پاکستان' میں زور پیدا کرنے کے لئے پاکستان کا مجوزہ دستور 'قرآن کریم' کو ہی قرار دے کر مسلمانوں کو انتشار سے بچایا تھا۔ اب سعودی عرب کے بعد افغانستان کے طالبان کو جو دستوری مشکل درپیش ہے، اس کا حل یہی قرآن کریم کو دستور قرار دینے کا اعلان ہے۔

جنرل محمد ضیاء الحق بھی ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء کے ذریعے حکمران بنے تو ان کا پہلا نعرہ 'نفاذ شریعت' ہی تھا۔ ۱۹۸۵ء میں جب دو علماء سینٹ کے ممبر بنے تو انہوں نے 'نفاذ شریعت بل' پیش کیا، جس پر ان دیوبندیوں علماء کے علاوہ پاکستان کے مختلف مذہبی اور سیاسی گروہوں نے اختلافات کی پٹاریاں کھول دیں۔ چنانچہ جنرل محمد ضیاء الحق کے اٹارنی جنرل حاجی غیاث الدین نے تمام مکاتب فکر، دینی سیاست کا دعویٰ کرنے والی سیاسی تنظیموں اور اسلام پسند وکلاء کے نمائندگان کو کئی دن اکٹھا بٹھایا، جنہوں نے سینٹ کے مجوزہ 'شریعت بل' کے اندر مناسب ترامیم کر کے ایک متفقہ شریعت بل (۱۹۸۶ء) تیار کیا، جس کی قانونی تائید کے لئے 'متحدہ شریعت محاذ' کی طرف سے ۹ویں آئینی ترمیم کی صورت ایک مزید 'دستاویز' پارلیمنٹ میں پیش کی گئی۔ (متفقہ شریعت بل کا متن مقالہ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں)

اسی متفقہ شریعت بل کی تحریک کے لئے 'نفاذ شریعت محاذ' تشکیل پایا تھا جس کا نمائندہ وفد (حافظ عبد القادر روپڑی حافظ عبد الرحمن مدنی اور محمد اسمٰعیل قریشی ایڈوکیٹ پر مشتمل) شیعہ مکتب فکر کی اہم

درسگاہ 'جامعۃ المنتظر' کے ذمہ داران سے بھی ملا، تو انہوں نے بھی اس پر دستخط کردیے، یہ تمام مکاتبِ فکر کے اتفاق کی اہم روئیداد ہے۔ اس طرح عالمی سطح پر پہلی دفعہ دو سیاسی بلاک شیعہ اور سنی اکٹھے ہوئے۔ اس سارے معاملے میں اہم رول مدیر اعلیٰ ماہنامہ محدث 'ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی کا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے سابقہ شریعتوں میں یہی حکم دیا تھا کہ ان امتوں کا دستور 'وحی' (کتاب اللہ) ہو گی۔ جو اس سے ہٹ کر کسی چیز کو دستور بنائے یا اس کی رو سے فیصلہ کرے وہ فاسق، ظالم اور کافر ہو گا۔

کافر اور ظالم قرار دینے کے بعد کی آیات ملاحظہ فرمائیں:

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (٤٧) وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (٤٨) وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ (٤٩) أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (٥٠)[المائدة: ٤٧ – ٥٠]

" اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو احکام اللہ نے اس میں نازل فرمائے ہیں، اسکے مطابق حکم دیا کریں، کیونکہ جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہی لوگ نافرمان ہیں۔ اے پیغمبرؐ! ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان سب پر نگہبان بھی ہے تو جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے، اسی کی رو سے فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آچکا ہے، اسکو چھوڑ کر انکی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک امت کے لئے الگ دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر جو حکم اس نے تم کو دیئے ہیں ان میں وہ تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے، سو نیک کاموں میں آگے بڑھو کیونکہ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر جن باتوں میں تم کو اختلاف تھا وہ تم کو بتا دے گا۔ ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اسی کی

روسے ان میں فیصلہ کرنا اور انکی خواہشوں کی پیروی ہرگز نہ کرنا بلکہ ان سے محتاط رہنا کہ کسی حکم سے جو اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے، یہ کہیں تم کو بہکانہ دیں۔ اب اگر یہ لوگ نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے جبکہ کثیر تعداد تو نافرمان ہی ہے۔ پس کیا یہ زمانہ جاہلیت کے سے فیصلے کے خواہشمند ہیں؟ یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ سے اچھا فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے!

کتنی خوفناک وعید ہے: جو لوگ قرآن کو دستور نہیں بناتے اور اسے اپنے معاملات میں حکَم نہیں سمجھتے، قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ خود ان کے خلاف مستغیث بن کر کھڑے ہوں گے۔:

وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا [الفرقان: ۳۰]

ترجمہ: اور پیغمبر خود روز قیامت مستغیث ہوں گے: اے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

جو لوگ مغربی دنیا سے مرعوب ہونے کی وجہ سے مستشرقین کے حوالوں کو اہمیت دیتے ہیں، ان کے لئے انگریزی اور دوسری زبانوں میں ان گنت تائیدات ہمارے سامنے ہیں، لیکن طوالت سے بچتے ہوئے ہم نے وہ تمام حوالے چھوڑ دیے ہیں۔ مزید اہم حوالوں کے لئے جناب محمد عطاء اللہ صدیقی کا مقالہ بعنوان: قرآن، آئین پاکستان اور قائداعظم ماہنامہ محدث نمبر ۳۳۸ اور مولانا زاہد الراشدی کا مقالہ بعنوان قرآن کریم اور دستور پاکستان الشریعہ گوجرانوالہ مجریہ جون ۲۰۱۰ء پڑھیں۔

تاہم فرانس کے مشہور جرنیل حاکم نپولین بوناپارٹ (م:۱۸۲۱ء) کا قرآن کو جامع ترین کتاب دینے کا اعتراف اس لئے ذکر کر دیتے ہیں کہ سیکولر دنیا میں فرانسیسی انقلاب (۵ اکتوبر ۱۷۸۹ء تا ۱۷۹۴ء) کی ایک دھوم ہے جس کے بعد نپولین نے پوری سیکولر دنیا کو نہ صرف دستور دیا، بلکہ وہ دنیا کی دستور سازی کا 'امام' بن گیا۔ عثمانی خلافت نے اسی کی نقل کرتے ہوئے اسلام کے دیوانی نظام کی ضابطہ بندی 'مجلة الأحكام العدلية' کی صورت تیار کر کے ۱۸۷۶ء تا ۱۹۲۳ء (سقوط خلافت تک) نافذ رکھی۔ چنانچہ 'نپولین' قرآن کی اہمیت کا ببانگ دُہل اعتراف یوں کرتا ہے۔

"I hope the time is not far off when I shall be able to unite all the wise and educated men of all the countries and establish a uniform regime based on the principles of Qur'an which alone

are true and which alone can lead men to happiness''.[۸][1]

"مجھے امید ہے کہ وہ وقت دور نہیں، جب میں اس قابل ہو جاؤں گا کہ تمام ممالک کے دانش مند اور تعلیم یافتہ لوگوں کو قرآن کے اصولوں کی بنیاد پر اکٹھا کر کے ایک حکومت تشکیل دوں، کیونکہ صرف یہی وہ اصول ہیں جو 'سچے' ہیں اور جو لوگوں کو خوشی مہیا کر سکتے ہیں۔"

ہمیں امید ہے کہ اگر طالبان سعودی عرب وغیرہ کی طرح تمام مسلمان گروہوں کو متحد کرنے کے لیے 'قرآن مجید' کے 'دستور' ہونے کا فوری اعلان کر دیں تو سب کی زبانیں بند ہو جائیں گی۔ سعودی حکومت کی لمبی تاریخ ہے کہ دنیا نے انہیں سالہا سال کن مشکلات سے دوچار ہوتے ہوئے اپنے مفادات اور اغراض کے تحت باری باری تسلیم کیا تھا؟ ہم اپنی گفتگو کو علامہ اقبال کی 'ضرب کلیم' سے ایک رباعی پر ختم کرتے ہیں:

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملّت — وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوّتِ بازو — آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خداداد

نوٹ: قرآن کریم بلاشبہ تمام اسلامی ممالک کا دستور ہونا چاہیے، جس کی برکت سے وہ انتشار ختم ہو سکتا ہے جو ترکی میں 'سقوطِ خلافت' کے بعد نہ صرف رونما ہوا بلکہ 'خلافت عثمانیہ' کی موت پر یہ عہد بھی لیا گیا کہ ایک مکمل صدی 'خلافت' کا نام بھی نہیں لیا جائے گا۔ شاید اسی لئے اب یہ نعرہ بھی 'گالی' بن چکا ہے، حالانکہ اسلامی حکومتوں کو اس 'لقب' سے کون روگ سکتا ہے۔؟ سقوطِ خلافت (۱۹۲۳ء) کے بعد (۲۰۲۳ء تک) تو سو سال بھی پورے ہو جائیں گے۔ بڑے مدنی صاحب کے خالو 'چوہدری نذیر احمد' مرحوم (سابق ایڈوکیٹ جنرل مغربی پاکستان) نے ۱۹۵۰ء میں یہ خواب دیکھا تھا لیکن ابھی تک یہ تشنۂ تعبیر ہے۔ عالمی قوتوں نے اسی خطرہ کے پیش نظر نام نہاد 'اسلاموفوبیا' کو 'دہشت گردی' سے جوڑ رکھا ہے، لہٰذا مسلمان ملکوں کی بھی Liberalism کی طرف مسابقت جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ OIC کو UNO کی طرح قوت اور اعتماد دے۔ وما ذالك على الله بعزيز.

---

[1] [۸](Napolean Bonaparte as Quoted in Christian Cherfils, 'Bonaparte et Islam,' Pedone Ed., Paris, France, ۱۹۱۴, pp. ۱۰۵, ۱۲۵) ۱۲۵)

تمام مکاتبِ فکر کا متفقہ شریعت بل

• ۳؍اگست ۱۹۸۶ء کو لاہور میں 'متحدہ شریعت محاذ پاکستان' کے زیر اہتمام جملہ دینی مکاتبِ فکر کی نمائندہ کمیٹی نے شریعت بل کے ترمیم شدہ مسودے پر اتفاق کیا اور مؤرخہ ۲۶ء اکتوبر ۱۹۸۶ء جامعہ نعیمیہ، لاہور میں ہزاروں علماء اور مشائخ کے 'عظیم الشان کنونشن' میں مولانا سمیع الحق شہید ہی کی طرف سے، قاضی عبد اللطیف کی تائید کے ساتھ ترمیمی شریعت بل کے لئے قرار داد پیش کی گئی جو متفقہ طور پر منظور ہوئی۔ سطورِ ذیل میں کمیٹی کی رپورٹ حذف کر کے خالص شریعت بل کا متن پیش خدمت ہے۔

واضح رہے کہ اسی رپورٹ کی روشنی میں متحدہ شریعت محاذ نے آئین میں مجوزہ ۹ویں ترمیم کی اصلاح و تکمیل کا مطالبہ بھی کیا تھا، تاکہ شریعت بل دستور سے ہم آہنگ رہے، گویا آئین میں مطلوبہ ۹ویں ترمیم شریعت بل کی قانونی منظوری کی بنیاد تھی جسے 'نفاذِ شریعت' کہتے ہیں۔ (محدث)

ابتدائیہ

ہر گاہ کہ قراردادِ مقاصد، جو پاکستان میں شریعت کو بالادستی عطا کرتی ہے، کو دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۹۷۳ء کا مستقل بالذات حصہ بنادیا گیا ہے۔

اور ہر گاہ کہ مذکورہ قراردادِ مقاصد کے اغراض کو بروئے کار لانے کے لئے ضروری ہے کہ شریعت کے فی الفور نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔

دفعہ نمبر (۱): مختصر عنوان، وسعت اور آغازِ نفاذ

الف) اس ایکٹ کو 'نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۸۶ء' کہا جائے گا۔

ب) یہ ایکٹ تمام پاکستان پر وسعت پذیر ہو گا۔

ج) اس ایکٹ میں شامل کسی امر کا اطلاق غیر مسلموں کے شخصی قوانین پر نہ ہو گا۔

د) یہ ایکٹ فوری طور پر نافذ العمل ہو گا۔

دفعہ نمبر (۲): تعریفات

اس ایکٹ میں تاوقتیکہ متن سے کوئی مختلف مفہوم مطلوب ہو، مندرجہ ذیل اصطلاحات سے وہ مفہوم مراد ہے جو ذیل میں اُنہیں دیا گیا ہے۔ یعنی:

الف)'قرار دادِ مقاصد' سے مراد وہ مفہوم ہے جو آرٹیکل ۲/الف، دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۹۷۳ء میں اسے دیا گیا ہے۔

ب)'مقررہ' سے مراد اس ایکٹ کے تحت مقررہ قواعد ہیں۔

ج)'شریعت' سے مراد قرآن و سنت ہیں۔

توضیح

قرآن و سنت کے احکام کی تعبیر کرتے ہوئے درج ذیل مآخذ سے رہنمائی حاصل کی جائے گی:

(۱) سنت خلفائے راشدین (۲) تعامل اہل بیت عظام و صحابہ کرام

(۳) اجماعِ اُمت (۴) مسلمہ فقہائے اسلام کی تشریحات و آراء

دفعہ نمبر (۳): شریعت کی دیگر قوانین پر بالاتری

کسی دیگر قانون، رواج، تعامل یا بعض فریقوں کے مابین معاملہ یا لین دین میں شامل کسی بھی امر کے اس سے مختلف ہونے کے باوجود شریعت، پاکستان میں بالاتر قانون کی حیثیت سے موثر ہو گی۔

دفعہ نمبر (۴): عدالتیں شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کریں گی:

ملک کی تمام عدالتیں تمام اُمور و مقدمات بشمول مالی اُمور وغیرہ میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوں گی اور شریعت کے خلاف فیصلوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہو گی۔ اگر کسی عدالت میں یہ سوال اُٹھایا جائے کہ آیا کوئی قانون یا فیصلہ شریعت کے منافی ہے، تو اس مسئلہ کے تصفیہ کے لئے وفاقی شرعی عدالت سے رجوع کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر (۵): وفاقی شرعی عدالت کا دائرۂ اختیار

وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیارِ سماعت و فیصلہ، بلا استثنیٰ تمام اُمور و مقدمات پر حاوی ہو گا۔

دفعہ نمبر (۶): شریعت کے خلاف احکامات دینے پر پابندی:

انتظامیہ کا کوئی بھی فرد، بشمول صدرِ مملکت اور وزیر اعظم، شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا اور اگر کوئی ایسا حکم دیا گیا، تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہو گی اور اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا، بشرطیکہ شکایت کنندہ کے لئے کوئی اور قانونی مداوا موجود نہ ہو۔

دفعہ نمبر(۷): عدالتی عمل اور احتساب

حکومت کے تمام عمال، بشمول صدرِ مملکت، اسلامی قانونِ عدل کے مطابق احتساب سے بالاتر نہیں ہوں گے۔

دفعہ نمبر(۸)

مسلمہ اسلامی فرق کے شخصی معاملات ان کے اپنے اپنے فقہی مسالک کے مطابق طے کئے جائیں گے۔

دفعہ نمبر(۹): غیر مسلم کو تبلیغ کی آزادی

یہ شق حذف کردی گئی ہے، کیونکہ دفعہ (ا) کی شق (ج) کے بعد اس کی ضرورت نہیں۔

سفارشی دفعہ نمبر(۱۰): علمائے دین کو جج مقرر کیا جائے

تمام عدالتوں میں حسبِ ضرورت تجربہ کار اور جید علمائے دین کا بحیثیتِ جج اور معاونین عدالت تقرر کیا جائے۔

سفارشی دفعہ نمبر(۱۱) ججوں کی تربیت کے انتظامات

علومِ شرعیہ اور اسلامی قانون کی تعلیم اور ججوں کی تربیت کا ایسا انتظام کیا جائے گا کہ مستقبل میں علومِ شرعیہ اور خصوصاً اسلامی قانون کے ماہر جج تیار ہو سکیں۔

دفعہ نمبر(۱۲): قرآن و سنت کی تعبیر کا طریق کار

قرآن و سنت کی تعبیر کا طریق کار وہی معتبر ہو گا جو مسلمہ مجتہدین کے علم اُصولِ تفسیر اور علم اُصول حدیث و فقہ کے مسلمہ قواعد اور ضوابط کے مطابق ہو۔

دفعہ نمبر(۱۳): عمالِ حکومت کے لئے شریعت کی پابندی

انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کے ہر فرد کے لئے فرائض شریعت کی پابندی اور محرمات سے اجتناب لازم ہو گا۔ "جو شخص اس کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو گا، وہ مستوجبِ سزا ہو گا۔ (یہاں کوئی سزا متعین کردی جائے) بشرطیکہ کسی دیگر قانون کے تحت یہ جرم مستوجبِ سزا نہ ہو۔"

دفعہ نمبر (۱۴): ذرائع ابلاغ کی تطہیر

تمام ذرائع ابلاغ سے خلافِ شریعت پروگراموں، فواحش اور منکرات کی اشاعت ممنوع ہو گی۔ جو شخص اس کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو گا، مستوجبِ سزا ہو گا (یہاں متعین طور پر سزا کا ذکر کرنا مناسب ہو گا، مثلاً دو سال قید با مشقت اور جرمانہ) بشرطیکہ کسی دوسرے قانون کے تحت یہ جرم مستوجبِ سزا نہ ہو۔

دفعہ نمبر (۱۵): حرام کی کمائی پر پابندی

خلافِ شریعت کاروبار کرنا اور حرام طریقوں سے دولت کمانا ممنوع ہو گا۔ جو شخص اس کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو گا، مستوجبِ سزا ہو گا (یہاں سزا متعین کی جائے) بشرطیکہ کسی دوسرے قانون کے تحت یہ جرم مستوجبِ سزا نہ ہو۔

دفعہ نمبر (۱۶): بنیادی حقوق کا تحفظ

شریعت نے جو بنیادی حقوق باشندگانِ ملک کو دیئے ہیں، ان کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا۔

دفعہ نمبر (۱۷): قواعد سازی کے اختیارات

اس ایکٹ کے مقاصد کے حصول اور شریعت کے عملی نفاذ اور اس قانون پر عمل درآمد کرانے کے لئے مرکزی حکومت کو اختیار ہو گا کہ ضروری قواعد وضع کرے، ان قواعد کا نفاذ اس دن سے ہو گا جس دن مرکزی حکومت اُنہیں گزٹ میں شائع کرے گی۔

نمائندگان کے دستخط

محمد عبد القیوم ہزاروی (ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)
حافظ عبد الرحمٰن مدنی (رابطہ علمائے اہل حدیث پاکستان)
محمد اجمل خاں (نائب امیر مرکزیہ جمعیۃ علمائے اسلام پاکستان)
محمد اسلم سلیمی (نائب قیم جماعت اسلامی، پاکستان)
میاں شیر عالم ایڈووکیٹ (نائب صدر ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس)

کِتَابُ التَّوحِیدِ (صحیح بخاری)

ترتیب: عبدالرحمن عزیز
افادات: ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی

استاد محترم ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی ﷾ تقریباً ایک سال سے جامع بخاری کے اہم مقامات پر درس دے رہے ہیں۔ انہوں نے ابتداء کتاب الاکراہ سے کی اور کتاب التوحید کے آخر تک دروس مکمل کیے تو پھر جامع بخاری کا ابتدائی حصہ منتخب کیا، اس طرح وہ نہ صرف ماضی کے متنوّع افکار کا جائزہ لیتے رہتے ہیں بلکہ دورِ حاضر کے فتنوں کی بھی نشاندہی کرتے جاتے ہیں۔ ہم تین شاگرد قاری فہد اللہ، قاری مصطفیٰ راسخ اور راقم الحروف کی ایک ٹیم نے انہیں مرتب کرنے کا پروگرام بنایا ہے، میری ذمہ داری 'کتاب التوحید' ہے۔ مدنی صاحب ملکی اور بین الاقوامی رابطوں کے علاوہ اپنی سرپرستی میں قائم ہونے والے اداروں کی مختلف ذمہ داریوں کی وجہ سے اپنے علمی ذوق کی خاطر خواہ آبیاری تو نہیں کر سکے تاہم عمر بھر دروس اور مجلسی تبادلہ خیال کی صورت بھرپور شریک رہے ہیں۔ واضح رہے کہ مدنی صاحب ہر درس کے شروع میں تمہیداً موضوع کا ایک تعارف پیش کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا ان کے دروس میں سے پہلے 'کتاب التوحید' کے مقدمہ کو تحریری شکل دی گئی ہے۔ باہمی مشاورت سے طے پایا کہ کتاب التوحید کی شرح تو مناسب وقت لے گی، تب تک ان دروس کو قسط وار 'محدث' میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ میں نے کتاب التوحید کے پہلے باب (ما جاء .فی دعا النبی ﷺ أمته إلی توحید تبارك و تعالی) کی پہلی حدیث کی تشریح و ترتیب مکمل کی جسے بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَمُرْسٰھَا پڑھتے ہوئے ہدیہ قارئین کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ توفیق کی ارزانی فرمائے۔ (عزیز)

تمہید (مقدمہ)

امام بخاری نے کتاب کا آغاز ایمان سے اور اختتام توحید پر کیا ہے، کیونکہ شریعت کی ابتداء ایمان سے ہوتی ہے اور انسانی زندگی کی آخری بات (کلمہ توحید) ہونا چاہیے۔

حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ الْمِسْمَعِيُّ، حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنِي صَالِحُ بْنُ أَبِي عَرِيبٍ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ»[ارشاد نبوی ہے من كان آخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة]جس کی آخری بات لا الہ اللہ ہوئی وہ جنت میں داخل ہو گیا(أبو داود:۳/۱۹۰)

ایمان سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو دل وجان سے تسلیم کرنا، زبان سے ان کا اقرار کرنا اور جوارح سے اس کے مطابق عمل کرنا ہے۔ صحیح بخاری کی پہلی کتاب "الایمان" میں ایمانیات کی تفصیلات ہیں، جبکہ کتاب "التوحید" میں قرآن وسنت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے متعلق اہم نکات زیر بحث ہیں۔

توحید اور علم توحید کا باہمی تعلق

امام بخاری نے اس کتاب کا نام التوحید رکھا، علم التوحید نہیں، کیونکہ توحید اور علم توحید میں فرق ہے، جس طرح حدیث اور علم حدیث میں فرق ہے۔ حدیث سیکھنے سے مراد ہوتا ہے کہ انسان حدیثوں کے ساتھ وابستہ ہو، ان سے استفادہ کرے اور انھیں اپنی زندگی میں داخل کرے۔ اور علم حدیث سے مراد 'فن حدیث' ہے، یعنی ان علوم وفنون کا علم حاصل کرنا جو ثبوت حدیث اور اس کے افہام و تفہیم میں معاون ہوتے ہیں، اسے علم الروایۃ ودرایۃ بھی کہتے ہیں۔ یہاں امام بخاری نے کتاب التوحید کا جو عنوان قائم کیا ہے، اس سے ان کا مقصد ذات باری تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات سے متعلق بحثیں ہیں، یعنی توحید کیا ہے؟ اسلام میں اس کا مقام کیا ہے؟ اس کی اقسام کونسی ہیں؟ اسے کیسے اپنانا ہے؟ اس کی دعوت کیونکر دینی ہے؟ چنانچہ امام بخاری سب سے پہلے دعوت توحید کا باب باندھ کر یہ حدیث لائے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو جب یمن بھیجا تو انہیں سب سے پہلے توحید کی دعوت دینے کا حکم دیا۔

توحید کی کتنی قسمیں ہیں اور توحید کی روح کیا ہے؟ دوسرا نکتہ یہ ہے ہر انسان کے لیے پہلا فرض کیا ہے؟ اور تیسرا ایمان کے ارتقاء کی کون کون سی صورتیں ہیں؟

توحید کی اقسام

توحید کی دو قسمیں ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علم یا معرفت الٰہی، اسے 'توحید علمی خبری' کہتے ہیں، دوسری قسم توحید ارادی طلبی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت کے بعد رب

العالمین سے وہ معاملہ رکھنا جو علم اور معرفت کے مطابق ہو، اسے 'توحید ارادی طلبی' کہتے ہیں۔ علم النحو میں خبر و انشاء کا فرق معروف ہے، اسی کو سامنے رکھ لیں۔ اسی لیے 'توحید ارادی طلبی' کو 'توحید انشائی' بھی کہہ دیتے ہیں۔ توحید علمی خبری دراصل 'توحید انشائی' کی تمہید ہوتی ہے، جبکہ اصل مقصود توحید انشائی ہے۔ ایمان کے بارے میں ہمارے اسلاف کا مقولہ الأیمان قول و فعل ویزید وینقص معروف ہے۔

خیر القرون اسلاف کے زہد و احسان کے مقابلے میں عجمی تصوف نے اللہ کی صرف معرفت پر زور دیا ہے جس کا اعلیٰ ترین درجہ 'علم یقین' ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ عبادت اصل مقصد نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کا مقصد صرف اللہ کی گہری پہچان ہے۔ اہل تصوف نے اس کیلئے ایک بناوٹی حدیث قدسی کو دلیل بنایا ہے، جو یوں ہے:

كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِياً، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِكَيْ أُعْرَفَ [كشف الخفاء (۲/ ۱۳۲)] ترجمہ: میں مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا تا کہ میری پہچان ہو جائے۔

'فن حدیث' کی رو سے یہ حدیث 'موضوع' ہے۔ معنی کے اعتبار سے بھی اس میں بڑا نقص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے محتاج ہیں جو اللہ کے وصف سبحان اور صمد کے منافی ہے (نعوذ باللہ من ذلک)

توجہ فرمایئے کہ توحید کا مقصد اگر صرف اللہ تعالیٰ کا تعارف اور پہچان ہوتا، تو شیطان ہم سے بہت آگے ہوتا کیونکہ وہ ہم سے کہیں زیادہ اللہ کی معرفت رکھتا ہے، کیا شیطان کو ہم 'مُوَحِّد' کہہ سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض صوفیا کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ اور ابلیس کا ایمان برابر ہے۔

انبیاء علیہم السلام لوگوں کو محض توحید کا علم دینے کے لیے نہیں آتے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طلب اور ارادہ کے لیے ان کا تزکیہ بھی کرتے ہیں۔ گویا وہ امت کی اس طرح تربیت کرتے ہیں کہ ان کا برابر ایمان بڑھتا رہے۔ جیسا کہ اسلاف کے مذکورہ بالا مقولہ میں یزیدُ وینقص کا مفہوم ہے کہ ایمانی کیفیت علم و عمل کے مطابق بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔

ہم نے سطورِ بالا میں توحید کی جو دو قسمیں بیان کی ہیں: ایک علمی خبری اور دوسری طلبی ارادی یہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ حافظ ابن قیم وغیرہ کی تعبیر ہے، انہیں 'توحید ربوبیت' اور 'توحید الوہیت' کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں لفظ ارادہ کو اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ طلب کی انتہائی شکل ارادہ ہوتی ہے جو عمل کا

باعث بنتا ہے۔ ارادے کے بعد انسان جو عمل کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ نیت روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ ارشادِ نبوی: انما الأعمال بالنيات (اعمال کا انحصار نیت پر ہوتا ہے) واضح ہے۔

واضح کہ 'اسماء وصفات الٰہی' کی بحثیں بھی 'توحید ربوبیت' کا حصہ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت جتنی بڑھتی جائے، اسی کے مطابق طلب اور ارادہ میں مضبوطی آتی رہتی ہے۔

'ایمان' دراصل انسان کی اندرونی کیفیت کا نام ہے، جب اللہ سے وابستگی اور دل بستگی ہو جاتی ہے یا اس میں بہتری آتی ہے تو ایمان بڑھنے لگتا ہے۔ دنیا میں مصیبتوں یا بھاری انعامات کی صورت جو آزمائشیں آتی ہیں وہ ایمان کی تربیت کے لئے ہی ہوتی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً [الأنبياء:٣٥]

ترجمہ: اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی کی صورت میں سخت آزمائش میں رکھتے ہیں۔

دوسرے لفظوں میں جب ایمان انسان میں داخل ہوتا ہے تو وہ تھوڑا ہوتا ہے، پھر حالات کے مطابق متنوّع آزمائشوں کی صورت میں ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام کو اگر کچھ عرصہ تکلیف نہ آتی تو وہ پریشان ہو جاتے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُصِبْ مِنْهُ» [صحيح البخاري: ٥٦٤٥]

"جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔"

کیونکہ اعمال کا دارومدار نیت ہوتی ہے جو ایک قلبی فعل ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص توجہ کے بغیر لا اله إلا انت سبحانك إنى كنت من الظالمين لاکھ مرتبہ بھی پڑھ لے تو اس کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بلا سمجھے پڑھنے پر کچھ ثواب تو مل جائے گا لیکن اس کا اصل مقصد حاصل نہیں ہو گا۔ حدیث جبرئیل جسے 'ام الحدیث' بھی کہا جاتا ہے اس کیفیت کو احسان کا نام دیا گیا ہے۔ چنانچہ جبرئیل سے اسلام، ایمان اور احسان کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے ہوئے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

الإِحْسَانُ: أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ [صحيح البخاري: ٥٠]

احسان یہ ہے کہ تُو اللہ کی اس طرح عبادت کر، گویا تُو اللہ کو دیکھ رہا ہے، اگر تیری یہ کیفیت نہ بن سکے

کہ (تو کم از کم) یہ حالت ہونی چاہیے جیسے اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

یعنی زہد و احسان کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ہم عبادت کرتے ہوئے گویا اللہ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ اس صورت میں توحید علمی اور عملی کامل ہو جاتی ہے، یہی دین کی تعلیم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّتَهُ إِلَى تَوْحِيدِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى

باب: آنحضرت ﷺ کا اپنی امت کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینا۔ دعا سے مراد دعوت و پکار ہے، کیونکہ دونوں کا معنیٰ 'بلانا' ہے۔

امت دو طرح کی ہوتی ہے: امت دعوت اور امت اجابت۔ امت دعوت سے مراد تمام وہ لوگ جن کی طرف رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے، انھیں 'امت دعوت' کہا جاتا ہے، اس میں تمام انسان بلکہ جنات بھی شامل ہیں، اسی لیے آپ ﷺ کو نبی الثقلین کہا جاتا ہے۔

اور امت جابت سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو دعوت کو مان کر مسلمان ہو جائیں۔ قیامت تک پیدا ہونے والے جن وانس محمد ﷺ کی 'امت دعوت' ہیں، اور قیامت تک ہونے والے مسلمان امت اجابت ہیں۔

اس باب کا مقصد یہ بتانا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا بنیادی مقصد توحید تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ [الأنبياء: ٢٥]

"اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ "میرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ لہٰذا صرف میری ہی عبادت کرو۔"

اور مذکورہ بالا حدیث لانے کا مقصد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا منہج اختیار کرنا امت کے لئے ضروری ہے کہ اسی منہج کے مطابق 'دعوت و اصلاح' کا کام کرے۔

تبلیغ اور دعوت

پیغام پہنچانے کے لیے دو چیزیں ہوتی ہیں: دعوت اور تبلیغ۔ تبلیغ کا معنیٰ ہے کوئی چیز دوسرے شخص کی طرف بتدریج پھینکتے رہنا، جبکہ دعوت کا مطلب ہے: تدبیر و حکمت کے ذریعے اپنی بات دوسروں کے قلوب و اذہان میں اتار کر ان سے اپنی بات منوانا۔ اس اعتبار سے دعوت، تبلیغ سے بلند تر چیز ہے۔

دعوت میں حکمت بھی ہوتی ہے اور نصیحت بھی اور سب سے بڑھ کر دعوت کسی مقصد کے لیے دی جاتی

ہے، جبکہ تبلیغ بسا اوقات کسی مقصد کے بغیر بھی ہوتی ہے ،اس لیے قرآن مجید نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کہا ہے: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا کہ نبی اکرم ﷺ کی پکار تمہاری عام دعوتوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک مقصد اور مخصوص طریقہ کار ہے۔ امام بخاری نے بھی اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے 'دُعَاءَ النَّبِيِّ ' سے مراد دعوت و پکار لی ہے۔

اہل علم کا پہلا کام دعوت ہوتا ہے جو بھلائی کا حکم اور برائی سے روکتے ہوئے کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے، جسے اصلاح بھی کہتے ہیں، قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ [آل عمران: ١٠٤]

"اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو بھلائی کی طرف بلاتے رہیں اور نیک کاموں کا حکم دیں، برے کاموں سے روکتے رہیں اور ایسے لوگ ہی مراد پانے والے ہوتے ہیں۔"

دعوت الی الخیر کے آگے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ اسے پھیلانے کیلئے معروف کا حکم دیا جائے اور منکرات کو روکتے ہوئے انہیں مٹانے کی جدوجہد کی جائے تاکہ حقیقی کامیابی مل جائے۔ گویا اس پیغام میں زبان سے کہتے ہوئے ہر قسم کی عملی جدوجہد بھی شامل ہے۔

دعوت اور مناظرہ

دعوت میں اخلاص کی بناء پر ہمدردی اور خیر خواہی کا جو جذبہ ہوتا ہے وہ داعی سے حکیمانہ انداز سے محنت کراتا ہے، جبکہ مناظرہ اپنے موقف کے حفاظت اور مخالف پر غالب آنے کی غرض سے کیا جاتا ہے، دعوت میں داعی اور مدعو کا تعلق ڈاکٹر اور مریض کا سا ہوتا ہے، جبکہ فرقہ وارانہ مناظروں میں ہر ایک دوسرے فریق کا مخالف ہوتا ہے، ان کی حیثیت بسا اوقات پہلوانوں یا مخالف وکیلوں جیسی ہوتی ہے، جس میں ہر ایک دوسرے کو ہرانا اور شکست دینا چاہتا ہے۔ اس میں ہمدردی اور خیر خواہی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ مناظرے میں فریق ثانی کی اصلاح بہت کم ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا اصل منہاج دعوت تھا مناظرہ تو وہ اس وقت کرتے جب فریق ثانی ہٹ دھرمی دکھاتا کیونکہ اگر فریق ثانی حق قبول کرنے کی بجائے فریق مخالف کی صورت میں مقابلے میں آجائے، تب مناظرہ کرنا مجبوری بن جاتی ہے۔ ایسی صورت میں قرآن مجید نے مناظرے کی اجازت تو دی ہے، لیکن وہ بھی بہتر سے بہتر انداز سے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ [النحل:۱۲۵] اور ان سے ایسے طریقے سے بحث کیجئے جو بہترین ہو۔

یہاں جدل سے مراد مناظرہ ہی ہے۔ مزید فرمایا:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ [العنکبوت: ٤٦]

(اے مسلمانو!) اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے جو بہترین ہو۔

لہٰذا داعی کو اصل محنت دعوت پر کرنی چاہیے، مناظرہ تب کرے جب داعی کو مجبور کر دیا جائے، ایسا مناظرہ بھی احسن طریقے سے ہونا چاہئے۔

دعوت اور فرقہ بندی کی مشکلات

فرقہ بندی شیطان کا بہت بڑا ہتھیار ہے۔ جس طرح کسی شخص کو زمین کے ساتھ باندھ دیا جائے تو وہ اٹھ کر کھڑا نہیں ہو سکتا، اسی طرح فرقہ بندی سے منسلک شخص اپنے فرقے اور اپنے فرقے کے نظریات اور مسائل سے جڑا ہوتا ہے، ان پر اس قدر مطمئن ہوتا ہے وہ اپنے فرقے کے مخالف موقف کے متعلق سوچ و بچار تک نہیں کرتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ [الروم: ٣٢] ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی میں مگن ہے۔

جب کوئی آدمی دھڑے بندی کی بنا پر اپنی بات پر اتنا سخت ہوتا ہے کہ دلیل کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا، تو وہ دوسرے فریق کی بات کو اہمیت ہی نہیں دیتا کہ اور نہ ہی اس کے دلائل پر غور کرتا ہے، بلکہ کھلم کھلا حق آجائے تو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ جبکہ دعوت اسی لئے ہوتی ہے کہ کسی کو اپنے نظریات سے متعلق غلط اور دوسرے کے افکار کے حق ہونے کے بارے میں غور و فکر کے لئے آمادہ کرے۔ کسی فرقے سے مضبوط جڑے ہوئے شخص کو دعوت دینا نہایت مشکل کام ہے۔ اسی لیے آجکل مسلمانوں کی باہمی رواداری اور حکمت یہ ہے کہ مخالف فرقہ کے لوگوں سے مناظرے کرنے یا امتیازی مسائل پر الجھنے کی بجائے مشترکہ مسائل کو اہمیت دے کر نزاعی معاملات کی تحقیق پر توجہ دلائی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت یوں ہے:

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ [آل عمران: ٦٤]

آپ ان سے کہیے: اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مسلّم ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں گویا ہم میں سے کوئی شخص اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب نہ بنائے۔

جب داعی اور مدعو کے درمیان نفرت کے دیوار گر جائے اور وہ باہمی افہام و تفہیم پر آمادہ ہو جائیں، تب غیر محسوس طریقے سے امتیازی مسائل پر تحقیق بھی کرائی جاسکتی ہے۔ دعوت کی کامیابی کا اہم عنصر عامل بن کر دعوت دینا بھی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ملاحظہ فرمائیں:

لِمَ تقولون ما لا تفعلون کا صحیح مفہوم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (٢) كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (٣) [الصف: ٢، ٣]

اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟ اللہ کے ہاں یہ سخت ناپسندیدہ بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم خود نہیں کرتے۔

بعض لوگوں کو مذکورہ بالا آیت سے یہ مغالطہ ہوا ہے کہ جو کام تم نہیں کرتے، اس کی دعوت نہیں دینی چاہئے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہاں ایسے لوگوں کو ملامت کی گئی ہے جو بے عمل ہوتے ہیں اور بڑھ چڑھ کر 'مبلغ' بن جاتے ہیں، کہ جن کاموں کا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو ان پر خود عمل کیوں نہیں کرتے ہو!؟

عُرف عام

عرف اور معروف کا مادہ ایک ہے، یعنی کسی معاشرہ کے مجموعی رویے کو عرف و رواج کہتے ہیں۔ عرف دیہی زندگی میں زیادہ مضبوط ہوتا ہے، کیونکہ وہاں کے لوگ مشترکہ رسم و رواج میں جنم لیتے اور پلتے ہیں، جبکہ شہروں میں 'ون ون کی لکڑی' اکٹھی ہوتی ہے یعنی مختلف اصناف، متنوع علاقوں اور علیحدہ علیحدہ نسلوں کے لوگ جمع ہوتے ہیں، ان کا کوئی مشترکہ اساسی رواج نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کے عرف کی کوئی باضابطہ حیثیت نہیں ہوتی۔ البتہ جب کچھ وقت کے بعد میل جول بڑھتے ہیں تو آہستہ آہستہ وہ قریب آتے جاتے ہیں، تو نئے رواجات بھی جنم لیتے ہیں، جنہیں تمدن (Civilization) کہا جاتا ہے۔

انذار اور تبشیر

انذار اور تبشیر یعنی ترغیب و ترہیب دونوں چیزیں دعوت کا حصہ ہیں، لیکن دعوت میں پہلے ڈرانا ہے کیونکہ انسانی مزاج یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کوئی غلط کام کرتا ہے اور آپ اس کو چھوٹ دے دیتے ہیں تو تمام لوگ غلط

لائن پر چل پڑیں گے۔ سزا کا خوف فوائد کی ترغیب سے زیادہ اثر رکھتا ہے، بلکہ گناہ اور جرائم میں چونکہ جبلّی لطف اور مزہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر سخت سزا کا خوف ہو تو مجرم گناہ کی لذت کے باوجود اس سے دور رہتا ہے۔ یہی اصولِ دعوت ہے کہ نیکی کی ترغیب کے ساتھ برائی سے ترہیب بھی ضروری ہے تاکہ ڈر اور سزا کا عنصر شامل ہو کر نیکی کا غلبہ ہو جائے۔

اب تمہیدی گفتگو کے بعد ہم کتاب التوحید کی احادیث کا ترجمہ اور تشریح کر رہے ہیں، وباالله التوفیق

کتاب التوحید (بخاری) کی پہلی حدیث

٧٣٧١ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ». [راجع :١٣٩٥]

ہمیں ابو عاصم نبیل نے زکریا بن اسحاق سے بیان کیا، انہوں نے یحییٰ بن عبد اللہ بن صیفی سے جو ابو معبد سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا۔(اسی حدیث کی تائید اگلی روایت کر رہی ہے جو یوں ہے)

٧٣٧٢ - وحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ، حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا مَعْبَدٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ إِلَى نَحْوِ أَهْلِ الْيَمَنِ قَالَ لَهُ: «إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللهَ تَعَالَى، فَإِذَا عَرَفُوا ذَلِكَ، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا صَلَّوْا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ غَنِيِّهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فَقِيرِهِمْ، فَإِذَا أَقَرُّوا بِذَلِكَ فَخُذْ مِنْهُمْ، وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ».

اور مجھے عبد اللہ بن محمد بن ابی الاسود نے بیان کیا کہ ہمیں فضل بن علاء نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن امیہ نے 'یحییٰ بن محمد بن عبد اللہ بن صیفی سے بیان کیا ہے' انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام ابو معبد سے سنا' انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا' انہوں نے کہا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تم اہل کتاب میں سے ایک

قوم کے پاس جا رہے ہو، سب سے پہلے انہیں اللہ کو ایک ماننے کی دعوت دینا جب وہ اس توحید کو اختیار کر لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ نماز کے پابند ہو جائیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر ان کے مالوں میں 'زکاۃ' فرض کی ہے 'جو ان کے امیروں سے لے کر انہی کے فقراء پر لوٹا دی جائے گی، جب وہ اس کا بھی عہد کر لیں تو ان سے زکاۃ وصول کرنا اور لوگوں کے عمدہ مال لینے سے پرہیز کرنا۔

لطائف اسناد

امام بخاری صحیح اور متصل اسناد سے روایت کے علاوہ عالی سند کا اہتمام بھی کرتے ہیں، (عالی اس سند کو کہتے ہیں جس کا سلسلہ کم سے کم راویوں پر مشتمل ہو) سند جس قدر عالی ہو گی، اسی قدر حدیث کی روایت میں مضبوطی بڑھے گی۔ امام بخاری نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجنے والا واقعہ عالی سند سے پیش کر کے اس کی تفصیلات نازل سند سے بیان کی ہیں۔

راویِ حدیث صحابی: حضرت معاذ بن جبلؓ (صحابی کا تعارف)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اولین انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، ان کا تعلق مدینہ کے بڑے قبیلے بنو خزرج سے تھا۔ ہجرت سے قبل جب حضرت صہیبؓ وغیرہ نے جب مدینہ منورہ میں اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے جلد ہی اسلام کی سچائی کو پہچان لیا اور بلا تامل اسلام قبول کر لیا۔ آپ ان ستر خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جو ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں جا کر بیعت 'عقبہ ثانیہ' میں شریک ہوئے اور واپس مدینہ منورہ آ کر دعوت کا کام شروع کر دیا۔ مدینہ منورہ کے بیشتر نوجوان آپ کی دعوت پر مسلمان ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہ خوبصورت شخصیت کے مالک: دراز قد، خوبرو، سفید رنگ، گہری اور موٹی آنکھیں، چمکدار دانت، گھنگریالے خوبصورت بال، کشادہ دست، کریم النفس اور خوش اخلاق تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اور مہاجرین اور انصار کے درمیان 'مواخات' قائم کی۔ تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ساتھ 'رشتہ اخوت' میں باندھا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے کتاب وحکمت کی تعلیم پوری تندہی سے حاصل کی اور دو اہم اعزازات پائے:

صحابہ میں سب سے زیادہ حلال وحرام سے واقفیت! جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا ہے:

وَأَعْلَمُهُمْ بِالحَلَالِ وَالحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ [سنن الترمذي :٣٧٩١]

"اور صحابہ کرام میں حلال و حرام کو سب سے زیادہ معاذ بن جبل جانتے ہیں۔"

جبکہ دوسرا اعزاز مقری اور مفسّر ہونے کا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اسْتَقْرِئُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ: مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ [صحيح البخاري: ٣٧٦٠]

چار اشخاص سے قرآن کی قراءت سیکھو: عبد اللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کی تعلیم و تربیت کے لیے حضرت معاذ کو متعین فرمایا۔

[طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۶۵]

اور غزوہ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا عامل بنادیا تو اسی موقع پر مذکورہ بالا ہدایات دیں۔

شرح الحدیث

رسول اللہ ﷺ مختلف قبائل اور علاقوں کی طرف صحابہ کرام کو داعی اور حاکم بنا کر بھیجا کرتے: جب کوئی فرد یا قبیلہ مسلمان ہو جاتا تو ایک نمایاں شخص رسول اللہ ﷺ کے نمائندے کی حیثیت سے حاکم بن کر شریعت کے نفاذ کا فریضہ بھی انجام دیتا۔ ایسے ہی دعاۃ اور نمائندگان میں حضرت معاذ بن جبل شامل ہیں، جنھیں رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف اپنا نمائندہ گورنر بنا کر بھیجا، تو روانگی کے وقت آپ ﷺ نے انہیں دعوت کے منہاجِ تدریج کے بارے ہدایات دیں۔

اس میں سب سے پہلی چیز توحید و رسالت کی دعوت و اصلاح ہے۔ یہاں پر امام بخاری کا مقصود یہی ہے۔

شہادتین کی اہمیت

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کو پہلے شہادتین کی دعوت دی جائے گی تاکہ وہ ایمان لے آئیں۔ جب توحید کی معرفت پوری طرح حاصل ہو جائے تب انہیں شریعت اسلامیہ کے دوسرے ارکان پر عمل کی دعوت دی جائے گی، کیونکہ احکام شریعت کی باری مسلمان ہونے اور موحّد بننے کے بعد آتی ہے۔

مذکورہ حدیث میں اگرچہ توحید الٰہی کا تذکرہ ہے، لیکن اس سے مراد توحید اور رسالت دونوں ہیں۔ کیونکہ شہادتین کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر کوئی شخص توحید مانے، لیکن رسالت محمدی کا انکار کرے تو وہ

مسلمان نہیں ہو سکتا، اسی طرح اگر کوئی شخص رسالت محمدی پر ایمان لے آئے، لیکن توحید کے حوالے سے کج فکری کا شکار رہے، تب بھی نجات ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے ایمان بالرسالۃ کو ایمان بالتوحید کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے تاکہ دونوں کی اکٹھے عملداری ہو۔

دعوت کیا ہے؟

دعوت علم کے بعد صرف زبان سے کہنے کا نام نہیں ہے، بلکہ اعمال صالحہ پر لوگوں کو عملاً تیار کرنا، ان کی مدد کرنا بھی دعوت دین کا حصہ ہے، دعوت خیر کے بعد مقدور بھر معروف کو نافذ کرنا اور منکر کا خاتمہ کرنا بھی ضروری ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے:

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ ، قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ. فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، فَقَالَ: قَدْ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ». [صحيح مسلم :٤٩]

"طارق بن شہابؓ کہتے ہیں کہ مروان پہلا شخص ہے جس نے عید کے دن نماز سے پہلے خطبے کا آغاز کیا، ایک آدمی اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہا: "نماز خطبے سے پہلے ہے؟" مروان نے جواب دیا: جو طریقہ (یہاں پہلے) تھا، وہ ترک کر دیا گیا ہے۔ اس پر ابو سعیدؓ نے کہا: اس انسان نے (صحیح بات کہہ کر) اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: تم میں سے جو شخص منکر (غیر مناسب کام) دیکھے، اس پر لازم ہے کہ اسے اپنے قوت بازو سے بدل دے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے حق کا اظہار کرے، اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے اسے ضرور برا سمجھے (گویا منکرات کو بدلنے کی ہر تدبیر ہونی چاہیے) اگرچہ آخری بات کمزور ایمان ہے۔

یعنی اگر آپ کے پاس طاقت ہے تو منکر کو طاقت سے روکو، اگر طاقت نہیں ہے تو زبان سے منع کرو، اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم دل میں نفرت کرو۔ لیکن ہمارے ہاں یہ سارے کردار بگڑ گئے ہیں، آج امر بالمعروف ونھی عن المنکر کا مطلب وعظ ونصیحت کی مجالس برپا کرنا اور مقررین کا حالات وواقعات سے قطع نظر اچھی گفتگو کر لینا کافی سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ حکمت ومصلحت سے تمام تر اصلاحی جدوجہد کی بڑی اہمیت ہے۔

منہج دعوت واصلاح

ہر شخص کی جابجا مختلف حیثیتیں ہوتی ہیں، مثلاً: ایک شخص اپنے اہل خانہ کو بہت سارے منکرات سے زبر دستی روک سکتا ہے، لیکن دوستوں کو ایسا حکم نہیں دے سکتا، انہیں صرف سمجھا سکتا ہے، اسی طرح اپنے سے بڑے ذمہ دار کے لئے بعض اوقات صرف نشان دہی کر سکتا ہے، آخری درجہ برے کام کو محض دل کی نفرت کی بناء پر اس سے جدا ہو سکتا ہے۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ ہر جگہ پر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام کرے۔

اس کے برعکس بعض لوگ اس قدر نرمی کے قائل ہیں کہ اپنے گھر میں بھی جدوجہد کرنے کو تیار نہیں ہیں، جبکہ دوسری انتہاء یہ ہے کہ بعض لوگ اس قدر جذباتی ہو جاتے ہیں کہ مسلمان ملک میں رہنے کو ہی حرام باور کرتے ہوئے یہاں سے ہجرت کرنے کو فرض قرار دیتے ہیں۔ میں بیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں اپنے آبائی مرکز جامعہ اہل حدیث (مسجد قدس) چوک دالگراں، لاہور میں مدرس اور ناظم تھا۔ ہمارے پاس دینی و نصابی کتب فروخت کرنے ایک بزرگ آیا کرتے تھے، جن کا نام عبد العزیز تھا، پیپلز پارٹی کے معروف لیڈر قیوم نظامی کے شائد بزرگ تھے، ان کا تعلق شاہ اسماعیل شہید کی جماعت کے اس گروپ سے تھا جو بعد میں افغانستان اور پاکستان کے سرحدی آزاد علاقوں میں جہادی تیاریوں کے دعویدار تھے۔ جب وہ ہمارے ہاں تشریف لاتے تو ان سے گپ شپ بھی رہتی تھی۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ پاکستان میں چونکہ پبلک سطح پر بھرپور اسلامی زندگی گزارنا ممکن نہیں، اس لیے یہاں رہنا جائز نہیں ہے، یہاں سے ہجرت واجب ہے۔ اس بارے میں وہ درج ذیل آیات سے استشہاد کرتے تھے:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (٩٧) إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا (٩٨) فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا [النساء: ٩٧ – ٩٩]

وہ لوگ جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز وناتواں تھے، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین فراخ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ پس ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری

لوٹنے کی جگہ ہے۔

البتہ کمزور مرد، عورتیں اور بچے بے بس ہیں کہ نہ تو کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی راہ فرار پاتے ہیں امید ہے کہ اللہ ایسے بندوں کو معاف کر دے۔ کیونکہ اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے اور بخشنے والا ہے۔

کم علمی اور ناتجربہ کاری کی بنا پر ان کے دلائل میں وزن معلوم ہوتا تو میرے لیے اور بعض اساتذہ کے لئے خاصی ذہنی مشکل پیدا ہو گئی، بالآخر میں نے تایا جان (حافظ عبد اللہ محدث روپڑی) کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ تمام دلائل ان کے گوش گزار کیے، تو انہوں نے فرمایا: قرآن مجید پر عمل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار دیکھنا چاہیے، نبوی طریقے کے بغیر قرآن پر صحیح عمل نہیں ہو سکتا اور فرمایا:

کیا رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے فوری ہجرت کی تھی؟ آپ ﷺ لوگوں کے انکار اور تشدد کے بعد بھی ۱۳ سال مکہ مکرمہ میں رہے، فوراً ہجرت نہیں کی، جس سے یہ اصول نکلتا ہے کہ انسان جہاں رہتا ہے جب وہاں اصلاح (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کے جملہ امکانات ختم ہو جائیں تو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں امر بالمعروف نہی اور عن المنکر مسلسل کرتے رہے، اس لیے آپ ﷺ نے مکہ سے فوری ہجرت نہیں کی، حالانکہ آپ ﷺ کے ساتھیوں پر بے پناہ ظلم ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ اس دن تک مکہ میں مقیم رہے جب تک کفار مکہ نے آپ کو 'شہید' کر کے دعوت کا راستہ ہمیشہ کے لیے بند کرنے کا پروگرام نہیں بنا لیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل مسلمان کا فرض دعوت الی الخیر یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے، جب یہ فریضہ ادا کرنے میں معاشرتی، قانونی یا انتظامی مشکلات حائل ہوں، اور دعوت کے کام کے ساتھ وہاں رہنا مشکل ہو جائے، تب ہجرت کرنا واجب ہوتا ہے۔

اسی طرح کراچی کے ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کا نقطہ نگاہ بھی دعوت کے بارے افراط و تفریط کا شکار تھا۔ انہوں نے 'حزب اللہ' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ تو دعوت کی غرض سے پنجاب بھی آئے۔ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ مزاروں وغیرہ پر چلے جاتے اور وہاں قبروں پر سجدہ کرنے یا دوسرے غلط کام کرنے والوں کو منع کرتے ہوئے انہیں بتاتے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا شرک ہے۔ وہاں ان کو خوب 'زدو کوب' کیا جاتا یہاں تک کہ ان کی حالت غیر ہو جاتی۔ اس تکلیف کے بعد وہ خیال کرتے کہ میں نے سنتِ انبیاء پوری کر دی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کو ایسے ہی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم جماعت اسلامی سے نکلنے کے بعد ان کے اخلاص سے شدید متاثر ہوئے تو ایک سال لاہور چھوڑ کر ان کے پاس کراچی چلے گئے، تاکہ وہاں

مل کر دعوتِ دین کا پیشہ وارانہ کام کریں۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ کشمکش اور فوری تصادم کا نقطہ نظر غلط ہے، جبکہ اسلام کا مزاج سلامتی کے ساتھ دعوتی کام کرنے کا ہے، وہ تشدد اور تصادم کو خود پیدا کرنے کی تلقین نہیں کرتا اور نہ ہی 'فتنہ' کے بغیر جنگ و قتال کا جہاد اختیار کرتا ہے، بلکہ تصادم تو دعوت میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے جنگ و جدال کی خواہش سے بھی منع فرمایا ہے، ارشاد نبوی ہے:

لا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ العَدُوِّ، وسَلُوا اللهَ العَافِيَةَ [صحیح بخاری: ٢٩٦]

"دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو نہ کرو، بلکہ اللہ سے عافیت مانگو۔"

جو لوگ اس میدان میں کام کرنا چاہتے ہیں انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام میں 'جدل' کا تصور صرف دفاع کے لیے ہے۔ تبلیغ کا طریقہ کار اس سے بالکل مختلف ہے۔ دعوت کا منہاج تو یہ ہے:

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ [التوبة: ٦]

"اور اگر ان مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دیجئے تاآنکہ وہ (اطمینان وسکون سے) اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی 'جائے امن' تک پہنچا دو۔ یہ اس لیے (کرنا چاہئے) کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔"

یعنی کسی مشرک کو آپ جبراً مسلمان نہیں بنا سکتے اسے پہلے اسلام کی حقانیت سمجھائیے اور اسے امن کی جگہ پہنچائیں، تاکہ وہ آپ کی دعوت آزادانہ اور اپنی مرضی سے قبول کرے۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ کا یہی مطلب ہے۔

دعوت میں تدریج

توحید و رسالت کو مان کر جب کوئی شخص اسلام میں داخل ہو جائے، تب اسے عبادات اور نیک اعمال کی دعوت دی جائے، لیکن اس دعوت میں تدریج کو ضرور ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

تدریج کا مطلب یہ ہے کہ داعی یک بارگی تمام شرعی احکام کا بوجھ مخاطب کی گردن پر نہ لادے، بلکہ باری باری شریعت کے احکام لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ دین ایک فطری نظام ہے لہذا اس نظام کو اگر حکیمانہ ترتیب سے پیش نہ کیا جائے تو مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔ اسی نبوی طریق کار کی ام المومنین حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: وَأَخْبَرَنِي يُوسُفُ بْنُ مَاهَكٍ، قَالَ: إِنِّي عِنْدَ عَائِشَةَ أُمِّ المُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، إِذْ جَاءَهَا عِرَاقِيٌّ، فَقَالَ: أَيُّ الكَفَنِ خَيْرٌ؟ قَالَتْ: وَيْحَكَ، وَمَا يَضُرُّكَ؟ " قَالَ: يَا أُمَّ المُؤْمِنِينَ، أَرِينِي مُصْحَفَكِ؟ قَالَتْ: لِمَ؟ قَالَ: لَعَلِّي أُوَلِّفُ القُرْآنَ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ يُقْرَأُ غَيْرَ مُؤَلَّفٍ، قَالَتْ: وَمَا يَضُرُّكَ أَيَّهُ قَرَأْتَ قَبْلُ؟ " إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةٌ مِنَ المُفَصَّلِ، فِيهَا ذِكْرُ الجَنَّةِ وَالنَّارِ، حَتَّى إِذَا ثَابَ النَّاسُ إِلَى الإِسْلاَمِ نَزَلَ الحَلاَلُ وَالحَرَامُ، وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلَ شَيْءٍ: لاَ تَشْرَبُوا الخَمْرَ، لَقَالُوا: لاَ نَدَعُ الخَمْرَ أَبَدًا، وَلَوْ نَزَلَ: لاَ تَزْنُوا، لَقَالُوا: لاَ نَدَعُ الزِّنَا أَبَدًا، لَقَدْ نَزَلَ بِمَكَّةَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنِّي لَجَارِيَةٌ أَلْعَبُ: {بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ} [القمر: ٤٦] وَمَا نَزَلَتْ سُورَةُ البَقَرَةِ وَالنِّسَاءِ إِلَّا وَأَنَا عِنْدَهُ "، قَالَ: فَأَخْرَجَتْ لَهُ المُصْحَفَ، فَأَمْلَتْ عَلَيْهِ آيَ السُّوَرِ. صحيح البخاري (٦/ ١٨٥)

"قرآن میں سب سے پہلے مفصلات کی سورتوں میں سے ایک سورۃ العلق نازل کی گئی، جس میں جنت اور جہنم (سندع الزبانية ابھی جہنم کے فرشتوں کو بلا لیتے ہیں) کا ذکر ہے، یہاں تک کہ جب کثرت سے لوگ اسلام کے دائرے میں آگئے تب حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے۔ اگر بالکل شروع ہی میں حکم آجاتا کہ 'شراب نہ پیو' تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ حکم دیا جاتا کہ 'زنا نہ کرو' تو لوگ کہتے ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے۔"[بخاری:۴۹۹۳]

قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں کا الگ الگ مطالعہ کریں، تو یہ واضح ہوتا ہے کہ مکی سورتوں میں زیادہ تر ایمانیات اور اخلاقیات کی تعلیم دی گئی ہے، جبکہ مدنی سورتوں میں احکامِ شریعت کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

حضرت حارث بن حارث العائذیؓ کی روایت سے بھی مکہ مکرمہ میں نبوی دعوت کے اسلوب پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

میں زمانہ جاہلیت میں مکہ مکرمہ گیا، دیکھا کہ لوگ محمد ﷺ کے گرد جمع ہیں، میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ لوگ کیوں اکٹھے ہیں؟ اس نے کہا یہ ایک صابی (محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اہل مکہ صابی یعنی 'مغلوبہ دین' والا کہا کرتے تھے) کے گرد جمع ہیں، میں نے قریب جا کر دیکھا تو آپ ﷺ انہیں توحید اور ایمان کی

دعوت دے رہے تھے۔[التاریخ الکبیر:۲/ ۲۶۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ دعوت و تبلیغ میں تدریج کا لحاظ رکھا اور دوسرے مبلغین کو بھی اصولِ تدریج کی تلقین فرمائی۔ جیسا کہ حضرت معاذ کو تدریج اختیار کرنے کی ہدایت دی، کہ سب سے پہلے انہیں توحید ورسالت کو قبول کرنے کی دعوت دیں، جب وہ آپ کی یہ بات تسلیم کرکے اسلام میں داخل ہوجائیں تب آپ انہیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ نمازی بن جائیں اور ان میں ایک طرح کی اجتماعیت پیدا ہوجائے، تو پھر انہیں بتانا کہ ان پر زکوۃ فرض ہے۔

تکمیل شریعت اور تدریج

اللہ رب العزت نے ہمیں قرآن وحدیث میں دو چیزیں عنایت فرمائی ہیں: ایک 'شریعت' دوسری 'منہاج شریعت'۔ شریعت سے مراد وہ تمام احکام ہیں جو تکمیل دین کے ساتھ پورے ہوچکے ہیں، جبکہ شریعت کے نفاذ اور دعوت کے طریقہ کار کو 'منہاج' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شریعت میں اب تدریج نہیں ہے کہ کوئی شخص کہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی طرف نئی نئی دعوت دینی ہے، ان پر شراب حرام نہیں ہے، جیسا کہ ابتدائے نبوت میں صحابہ پر حرام نہ تھی، تو یہ نظریہ بالکل غلط ہے، کیونکہ اس وقت تک تو شریعت مکمل ہی نہیں تھی، اب جب کہ دین وشریعت اپنی کامل شکل میں موجود ہیں، تو اب انہیں دوبارہ ناقص بنانے کی کسی کو اجازت نہیں دی جاسکتی۔ البتہ تربیت میں تدریج ہے کہ پہلے شریعت تعلیم ودین کے گول (جزاء وسزا) کی تعلیم دیں گے تاکہ وہ عملی احکام کی تعمیل پر تیار ہوجائیں پھر احکام کی تفصیلات بتائی جائیں گی۔

نفاذ شریعت کا طریقہ کار

جب شریعت مکمل ہوگئی ہے تو نفاذ بھی مکمل ہوگیا، اب اسے پھر سے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا جاسکتا، واضح رہے کہ قرآن مجید کا باہمی ربط ہے، اس ربط کے ذریعے بھی قرآن مجید کا ایک مفہوم متعین ہوتا ہے جبکہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث سے مفاہیم متعین ہوتے ہیں جن کی شروط وقیود بھی واضح ہوتی ہیں۔ شریعت کی بتدریج عملداری کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک کافر شخص مسلمان ہونا چاہتا ہے تو سب سے پہلے لا إله الا الله محمد رسول الله پڑھے، جب اس نے لا إله الا الله محمد رسول الله پڑھ لیا تو وہ اسلام میں مکمل داخل ہوگیا، اب پہلے اسے نماز کی ترغیب دی جائے گی، بعد میں درجہ بدرجہ دوسرے احکام پر عمل کرایا جائے گا۔

اسی طرح کسی ملک اور علاقے میں حکومت کی طرف سے اسلامی شریعت کی عملداری مقصود ہو تو کلمہ طیبہ

کی طرح مکمل شریعت کا اعلان ہو گا، جبکہ دورِ حاضر میں 'قرآن' کے 'دستور' ہونے کا اعلان کر دیا تو موقع و محل کے مطابق بتدریج شرعی احکام (حلال و حرام) کی ہدایات کا اجراء بھی ہوتا رہے گا۔

نظام زکوۃ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو 'منہاج دعوت' سمجھاتے ہوئے فرمایا: جب مسلمانوں کے لئے اقامتِ صلاۃ کے بعد زکوۃ دینے کا مرحلہ آجائے تو ان کے امیر لوگوں سے زکوۃ لے کر انہی کے غربا میں تقسیم کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات پیدا نہ ہو کہ حکمران ہمارا مال کھا رہے ہیں، جیسے ہمارے بھائی مشرقی پاکستان کے لوگ سمجھتے تھے کہ مغربی پاکستان ہمارے دیئے ہوئے ٹیکس اور پیداوار سے عیاشی کر رہا ہے، نتیجتاً ہمارا مشرقی بازو ہم سے جدا ہو گیا۔ آج سندھ اور بلوچستان کے صوبے یہی الزام پنجاب کو دیتے ہیں کہ پنجابی ہمارا ٹیکس اور مخصوص پیداوار کھا رہے ہیں۔ اس لیے لوگوں کے ذہنوں کو شکوک و شبہات سے بچانے کے لیے اصول یہ بنایا ہے کہ جس علاقے سے زکوۃ اکٹھی کی جائے پہلے وہیں کے غرباء پر تقسیم کیجائے۔ واضح رہے کہ مال زکوۃ وغیرہ میں امیر کا کچھ حق نہیں ہے، البتہ حکمرانوں اور سرکاری ملازمین کے لئے شرعی ہدایت یہ ہے کہ جو غنی ہوں، وہ تو خزانہ سے تنخواہیں اور دیگر مراعات نہیں لے سکتے، البتہ اگر محتاج ہوں تو ملکی رواج کے مطابق تنخواہ وغیرہ لے سکتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ} [النساء: ٦]

"اور جو سرپرست اور ذمہ دار کھاتا پیتا ہو اسے چاہئے کہ وہ ماتحتوں کے مال سے کچھ نہ لے اور جو محتاج ہو وہ اپنا حق الخدمت دستور کے مطابق لے سکتا ہے۔"

زکوۃ میں کیسا مال لیا جائے؟

رسول اللہ ﷺ نے یمن کے گورنر حضرت معاذؓ کو زکاۃ لینے کا اصول بتاتے ہوئے فرمایا:

« فَإِذَا أَقَرُّوا بِذَلِكَ فَخُذْ مِنْهُمْ، وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ »

"جب وہ زکاۃ دینے پر آمادہ ہیں تو ان سے زکاۃ لیتے ہوئے عمدہ مال لینے سے پرہیز کرنا"

یعنی جب وہ زکوۃ دینے پر آمادہ ہیں تو زکوۃ لیتے ہوئے احتیاط کرنا کہ کہیں اپنے عہدے اور طاقت کے نشہ میں ان کے اچھے اور نفیس مال پر ہاتھ ڈالنے لگ جاؤ۔ چونکہ زکاۃ اللہ کے خوف سے دی جاتی ہے، لہذا انسانی نفسیات کا دھیان رکھا گیا ہے کہ متوسط درجے کا مال وصول کیا جائے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مال داروں

کو رغبت دلائی گئی ہے کہ اللہ کے راستے میں پسندیدہ مال دینا حقوق کی بہترین ادائیگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ [آل عمران:۹۲]

تم ہر گز نیکی حاصل نہ کر سکو گے جب تک کہ اپنی پسندیدہ اشیاء کی خیرات نہ کرو۔ تم جو بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ بلاشبہ اسے جاننے والے ہیں۔ مزید فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ [البقرة: ٢٦٧]

"اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے اچھی چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ کوئی ردی چیز خرچ کرنے کا قصد نہ کرو، حالانکہ وہی چیز اگر کوئی شخص تمہیں دے تو ہر گز قبول نہ کرو گے، الا یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور بخوبی جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور کائنات کی سب چیزیں اس کی تعریف کر رہی ہیں۔"

مذکورہ بالا آیت میں خبیث اور طیب کو ایک دوسرے کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ یہاں طیب سے مراد عمدہ کوالٹی کا مال ہے، اور خبیث سے مراد نکمی اور ردی چیز ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ --- كَانَتِ الْأَنْصَارُ تُخْرِجُ إِذَا كَانَ جِدَادُ النَّخْلِ مِنْ حِيطَانِهَا أَقْنَاءَ الْبُسْرِ، فَيُعَلِّقُونَهُ عَلَى حَبْلٍ بَيْنَ أُسْطُوَانَتَيْنِ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَأْكُلُ مِنْهُ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ، فَيَعْمِدُ أَحَدُهُمْ فَيُدْخِلُ قِنْوًا فِيهِ الْحَشَفُ، يَظُنُّ أَنَّهُ جَائِزٌ فِي كَثْرَةِ مَا يُوضَعُ مِنَ الْأَقْنَاءِ، فَنَزَلَ فِيمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ: وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ [البقرة:٢٦٧]
(بحواله سنن ابن ماجه :١٨٢٢، صحيح)

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں:--- انصار کی عادت تھی کہ جب کھجور کے درختوں کا پھل اتارا جاتا تو وہ اپنے باغوں سے کھجوروں کے چند خوشے (صدقے کے طور پر) نکالتے اور ان کو مسجد نبوی میں دو ستونوں کے درمیان ایک رسی پر لٹکا دیتے۔ نادار مہاجر ان میں سے (حسب ضرورت) کھا لیتے۔

(بعض اوقات) کوئی آدمی ان میں نکمی کھجوروں کا خوشہ بھی شامل کر دیتا اور سمجھتا کہ اتنے زیادہ خوشوں میں اس کا خوشہ بھی چل جائے گا۔ جن افراد نے ایسا کیا تھا ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ اس میں نکمی چیز (دینے کا) کا قصد نہ کرو۔

دوسری حدیث میں یوں ہے:

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَدْ عَلَّقَ رَجُلٌ أَقْنَاءً، أَوْ قِنْوًا، وَبِيَدِهِ عَصًا، فَجَعَلَ يَطْعَنُ يُدَقْدِقُ فِي ذَلِكَ الْقِنْوِ وَيَقُولُ: «لَوْ شَاءَ رَبُّ هَذِهِ الصَّدَقَةِ تَصَدَّقَ بِأَطْيَبَ مِنْهَا، إِنَّ رَبَّ هَذِهِ الصَّدَقَةِ يَأْكُلُ الْحَشَفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». [سنن ابن ماجه :١٨٢١ ، حسن]

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ (گھر سے مسجد میں) تشریف لائے (تو دیکھا کہ) کسی آدمی نے (کھجور کے) خوشے یا ایک خوشہ (مسجد میں) لٹکا دیا تھا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، آپ اس خوشے کو کھٹ کھٹ چھڑی مارنے لگے اور آپ فرما رہے تھے: یہ صدقہ کرنے والا چاہتا تو اس سے بہتر صدقہ دے سکتا تھا۔ اس صدقے کا مالک قیامت کے دن نکمی کھجوریں ہی کھائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَلَا يَقْبَلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ . [صحيح البخاري :١٤١٠] "اللہ تعالیٰ عمدہ کے سوا کچھ بھی قبول نہیں کرتا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد کو یہ حدیث سنائی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکوۃ کے حوالے سے انہیں یوں تحریری ہدایات دیں:

أَنَّ أَنَسًا (رَضِيَ اللهُ عَنْهُ) حَدَّثَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ (رَضِيَ اللهُ عَنْهُ) كَتَبَ لَهُ الصَّدَقَةَ الَّتِي أَمَرَ اللهُ رَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَلَا يُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَلَا تَيْسٌ إِلَّا مَا شَاءَ الْمُصَدِّقُ». [صحيح البخاري :١٤٥٥]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو انہیں رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ احکامِ زکوۃ کے مطابق لکھا کہ زکوۃ میں بوڑھے، عیب دار جانور اور مینڈھا نہ لیا جائے ہاں! اگر صدقہ وصول کرنے والا مناسب سمجھے تو (مینڈھا) لے سکتا ہے۔

یہ جائز نہیں کہ محض گنتی پوری کرنے کے لیے نکما اور گھٹیا مال دیا جائے اور نہ ہی زکوۃ وصول کرنے والے

عامل کے لیے حلال ہے کہ وہ اعلیٰ ترین مال لے کر زیادتی کرے، اسے مظلوم کی بددعا سے بچنا چاہئے، کیونکہ دوسری روایت میں ساتھ ہی یہ الفاظ بھی ہیں:

« وَاتَّقِ دَعْوَةَ المَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ »[صحيح البخاري:١٤٩٦]

"مظلوم کی بددعا سے بچو، بلاشبہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہے۔"

اہم فوائد

۱. انبیاء رعلیہم السلام کا بنیادی فریضہ دعوت و اصلاح ہے۔ یہی ذمہ داری امت محمدؐ کی ہے۔

۲. دعوت میں بنیادی چیز 'توحید' ہے۔

۳. توحید صرف شہادتین کا نام نہیں بلکہ معرفت الٰہی کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے گہرے تعلق اور عمل صالح پر کاربند رہنے کا نام ہے۔

۴. شریعت کامل ہے، اس کے کسی حکم کو موقوف نہیں کیا جا سکتا، البتہ دعوت و اصلاح میں تدریج اختیار کی جانی چاہیے۔ گویا الأهم فالأهم کے اصول پر دعوت دی جائے۔

۵. اسلامی دعوت میں پہلے توحید، پھر نماز، پھر زکوۃ، پھر روزہ، پھر دوسرے نیک اعمال ہیں۔

۶. زکوۃ جس علاقے کے امراء سے وصول کی جائے گی، وہیں کے غربا پر پہلے تقسیم کی جائے گی۔

۷. زکوۃ میں متوسط مال لیا جائے گا، نہ اعلیٰ ترین اور نہ گھٹیا ترین۔

۸. مظلوم کی بددعا سے بچنا چاہئے، کیونکہ مظلوم کی آہ اور اللہ کے ہاں قبولیت کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہے۔

موقع محل کی مناسبت سے

تحکیم (ثالثی) اور عدالتی فیصلہ کا فرق

مولانا ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی ﷾

مقالہ ہذا محدث نمبر ۳۸۹ میں مقالہ نگار کے ناقص مسوّدے سے چھپ گیا، لہٰذا اب ضروری تصحیحات کے بعد اسے دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔ قارئین سے معذرت! (ادارہ)

مروجہ قانون میں 'ثالثی' کے لیے انگریزی میں Arbitration کی اصطلاح ہے جبکہ اس کے بالمقابل عدالتی فیصلوں کے لیے Judgement کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ دونوں کے لئے Decision (فیصلہ) کا مشترکہ لفظ بھی بولا جاتا ہے لیکن ثالثی فیصلہ جاری کرتے ہوئے اسے انگریزی میں Award سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ حقوق و فرائض طے کرنے کے لئے Decree جاری کی جاتی ہے۔

چونکہ ہمارے ہاں دونوں کام عدالتیں کرتی ہیں، اس لئے ثالثی فیصلہ کو بھی عدالتیں ہی Rule of Law بناتی ہیں حاصل یہ ہے کہ فریقین میں باہمی موافقت اور مصالحت کرانے کا طریقہ کار تحکیم (Arbitration) اور حق و باطل کو نکھارنے والے دوٹوک عدالتی فیصلہ کو قضا (judgement) کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں میاں بیوی کے جوڑے کو بچانے کی ایک صورت یوں بیان ہے: جو آیت تحکیم میں پیش کی گئی ہے

(وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا) [النساء:۳۵]

"اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان باہمی رشتہ ٹوٹ جانے کا خوف ہو تو ایک نمائندہ مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرلو، اگر یہ دونوں نمائندے صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں (میاں بیوی) میں موافقت کرادیگا، یقیناً اللہ رب العالمین دائمی علم والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔"

میاں بیوی کے نزاع کی صورت میں آیت بالا کی تطبیق اور بعض پہلوؤں کی تشریح آگے آرہی ہے، فی الحال

دورِ صحابہ کے مشاجرات میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان جو تحکیم کی صورت اختیار کی گئی، خوارج کی انتہاء پسندی کے سامنے عذر کے طور پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نبیؐ کی سنن کی بنیاد اسی آیت کو قرار دیتے رہے۔

جبکہ دوسری آیت کریمہ میں عدالتی فیصلہ کے بارے میں پرزور انداز اختیار کیا گیا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

"پس لازماً تیرے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس معاملہ میں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں جب ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ جو تو فیصلہ کرے اسے دل و جان سے پوری طرح تسلیم کر لیں۔"

تحکیم کی ایک اور شکل کے بارے میں کتب احادیث میں حضرت زبیرؓ بن العوام اور ایک انصاریؓ کا شراج[1] کے بارے میں اختلاف و نزاع کا ذکر ہے۔ اس سے عدالتی فیصلہ اور ثالثی کی جداگانہ حیثیت اور ان کی حدود کا تعین ہو جاتا ہے، حدیث ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ فِي شِرَاجٍ مِنَ الحَرَّةِ يَسْقِي بِهَا النَّخْلَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اسْقِ يَا زُبَيْرُ»، فَأَمَرَهُ بِالمَعْرُوفِ، «ثُمَّ أَرْسِلْ إِلَى جَارِكَ» فَقَالَ الأَنْصَارِيُّ: أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ، فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: «اسْقِ، ثُمَّ احْبِسْ، يَرْجِعَ المَاءُ إِلَى الجَدْرِ، وَاسْتَوْعِ لَهُ حَقَّهُ» فَقَالَ الزُّبَيْرُ: " وَاللَّهِ إِنَّ هَذِهِ الآيَةَ أُنْزِلَتْ فِي ذَلِكَ: {فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ} [النساء: ٦٥] " قَالَ لِي ابْنُ شِهَابٍ: فَقَدَّرَتِ الأَنْصَارُ وَالنَّاسُ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اسْقِ، ثُمَّ احْبِسْ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الجَدْرِ» وَكَانَ ذَلِكَ إِلَى الكَعْبَيْنِ [بخاري:٢٣٦٢]

سیدنا عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری شخص کا (میرے باپ) زبیرؓ سے حرہ میں پانی کے

---

[1] بڑے آبی بہاؤ سے زمینوں کو سیراب کرنے کے لئے کاشتکار جو چھوٹی نالیاں نکالتے ہیں، ان کو 'شراج' کہا جاتا ہے۔

بہاؤ کی نالیوں کے بارے میں، جن سے کھجوروں کے باغ سیراب ہوا کرتے تھے، جھگڑا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زبیر! تم پہلے اپنا باغ سیراب کرلو۔ چنانچہ اسے بھلائی کا حکم دیا پھر اپنے پڑوسی (بھائی) کے لیے جلد پانی چھوڑ دینا۔ اس پر انصاریؓ نے کہا۔ جی ہاں! آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں ناں، رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ نے فرمایا، اے زبیر! تم سیراب کرتے ہوئے پانی کو روکے رکھو، یہاں تک کہ پانی کھیت کی مینڈیروں تک پہنچ جائے۔ اس طرح آپ نے زبیرؓ کو ان کا پورا حق دلوا دیا۔ زبیرؓ کہتے تھے کہ اللہ کی قسم! یہ آیت (فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ) اسی بارے میں نازل ہوئی تھی "تیرے رب کی قسم! اس وقت تک یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے جملہ اختلافات و نزاعات میں آپ کو "حکم" (فیصلہ کرنے والا) تسلیم نہ کرلیں۔"

ابن شہاب زہری نے کہا کہ انصار اور دیگر لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے اس فیصلے کی بنا پر کہ "سیراب کرتے ہوئے پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ پانی زمین کے منڈیروں تک پہنچ جائے۔" یہ اندازہ لگایا کہ پہلے پانی لگانے والے کا حق یہ ہے کہ پانی سے زمین ٹخنوں تک بھر جائے۔"

انداز بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ پہلے فیصلہ کی نوعیت ثالثی کی تھی جبکہ دوسرے فیصلہ کی نوعیت حقوق و فرائض کی باریکیاں تعین کرنے کی ہے، ہم نے سطور بالا میں عدالتی فیصلہ کے لیے یہی آیت کریمہ پیش کی ہے۔

ہمارے ہاں کی عدالتیں کئی دفعہ "تحکیم" کے اختیارات استعمال کر کے نزاعات مٹاتی ہیں۔ اسی طرح پنچایتی فیصلوں میں بھی زیادہ تر "تحکیم" کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ ہمارے عام قانون دان ایسی باریکیوں سے آگاہ نہیں ہوتے لہٰذا میں ان کے تربیتی کورسز میں تقریباً بیس سال قانون و شریعت کا تقابل کرتے ہوئے مثالوں سے ثالثی ایوارڈز رڈ گری جاری کرنے کے فرق بیان کرتا رہا ہوں۔ آزاد علاقوں کے جرگے اور گھریلو نزاعات کے حل کے لیے عموماً یہی کردار موثر ہوتا ہے۔

پہلا اعتراض

نبیؐ نے جب دو صحابہؓ کے نزاع کے بارے میں تحکیم (موافقت) کا طریقہ کار اپنایا تو کیا وہ درست فیصلہ تھا، کیونکہ انصاری نے جب آپؐ پر جانبداری کا الزام لگا دیا تو آپ نے نیا فیصلہ سنایا۔ ان دو مختلف فیصلوں کے بیک وقت درست ہونے کی کیا توجیہ ہے؟

وضاحت: اس امر پر تو اجماع ہے کہ آپؐ کے فیصلے غصہ کی حالت میں بھی صحیح ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث

میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أُرِيدُ حِفْظَهُ، فَنَهَتْنِي قُرَيْشٌ عَنْ ذَلِكَ، وَقَالُوا: تَكْتُبُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا؟ فَأَمْسَكْتُ، حَتَّى ذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: " اكْتُبْ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا خَرَجَ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ "(مسند احمد: ٦٨٠٢)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو ؓ سے مروی ہے کہ میں ہر اس حدیث کو جو رسول اللہ ﷺ سے سنتا یاد رکھنے کے لئے لکھ لیتا، تو قریش کے لوگوں نے مجھے لکھنے سے منع کر دیا، اور انہوں نے کہا: تم تو رسول اللہ ﷺ سے ہر سنی ہوئی بات کو لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ غصے اور خوشی دونوں حالتوں میں باتیں کرتے ہیں، تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”لکھا کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس (زبان) سے حق بات کے سوا کچھ نہیں نکلتا“

نزاع کے متعلق شرعی ہدایت پہلے موافقت (مصالحت) کرانے کی ہے جسے تحکیم Arbitration کہتے ہیں۔ حضرت عمر ؓ کے مکتوب بنام امیر معاویہ ؓ میں بھی یہی ہدایت ثالثی کی اہمیت اور حکمت پیش کرتے ہوئے دی گئی ہے۔

احرص على الصلح بين الناس ما لم يستبن لك القضاء، أو كانت بينهم قرابة، فإن فصل القضاء يورث الشنآن (أخبار القضاة لوكيع ج١ ص ٧٥)

جب تک آپ کے لئے حق و باطل کے مطابق فیصلہ کرنا واضح نہ ہو یا فریقین کے درمیان قرابت کا رشتہ ہو تو آپ لوگوں میں صلح کی کوشش کریں، کیونکہ بسا اوقات حق و باطل کی رو سے ”صریح فیصلے“ دشمنی پیدا کرتے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ نازک صورتوں میں پہلے موافقت کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ تنازع بھی ختم ہو جائے اور فریقین باہم خوش بھی رہیں، ورنہ فوری طور پر حق و باطل کے مطابق ایسا عدالتی فیصلہ سنانے سے دشمنیاں جنم لیتی ہیں۔

دوسرا اعتراض

سورۃ الانبیاء میں ایک نزاع کا ذکر کر کے انبیاء کے دو مختلف فیصلوں کا تقابل کیا گیا ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ (٧٨) فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا [الأنبياء: ٧٨،٧٩]

اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو یاد کیجئے جبکہ وہ ایک کھیت کے معاملہ میں فیصلہ کر رہے تھے، کیونکہ چرواہے کی غفلت کی وجہ سے بکریاں رات کو چرتے ہوئے اس کھیت کا ستیاناس کر گئی تھیں۔ ان دونوں کے فیصلے ہمارے سامنے ہیں، ہم نے سلیمان کو اس کا زیادہ صحیح فیصلہ سمجھا دیا۔ البتہ ہم نے ہر ایک کو علم و حکمت سے نواز رکھا تھا۔

حالانکہ حضرت داؤدؑ نبی اور بادشاہ ہونے کی حیثیت سے فیصلہ کر چکے تھے، حضرت سلیمانؑ اس وقت باپ کے تابع تھے، کیا ان کو نگرانی کا حق تھا؟

وضاحت: یہ درست ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اپنے منصبی (نبوی اور حکمرانی) اختیارات کے تحت جو عدالتی فیصلہ کیا تھا اس کے بعد حضرت سلیمانؑ کو نگرانی یا اپیل کا کوئی حق نہیں تھا، لیکن اس عدالتی فیصلے کی تنفیذ کے اعتبار سے فریقین نے ان سے رجوع کیا تو فریقین کی رضامندی کی بنا پر حضرت سلیمانؑ نے ان میں حکیمانہ مفاہمت کرادی، گویا یہ عدالتی فیصلے کے بعد "تحکیم" کا مسئلہ ہے۔ واضح رہے کہ عدالتی فیصلوں کے باوجود باہمی مفاہمت کی صورتیں نکالنا حکیمانہ رویہ ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا خط میں امیر معاویہؓ کو پہلے صلح کی کوشش کرتے ہوئے تحکیم (موافقت) کی اہمیت بتائی کیونکہ بسا اوقات عدالتی فیصلے نافذ کرتے وقت عملی مشکلات کا باعث بنتے ہیں۔

ہماری اعلیٰ عدالتیں بھی آج کل دفاعی قوتوں کے علاوہ حکمرانوں یا طاقتور سیاسی لیڈروں کے خلاف اپنے فیصلوں کے بارے میں صحیح عملداری سے خائف ہوتی ہیں تو عادلانہ فیصلوں کی بجائے این آر او جیسی صورتیں نکالتی رہتی ہیں کیونکہ ہمارے ہاں الہامی دستور (شریعت) چھوڑ کر انسانوں کے وضع کردہ 'قانون' کی بالادستی ہے ،اسی لیے ہمارا نظام عدل و احسان کی بجائے قانون کی رٹ قائم کرنے کا ہے۔[1] جو درحقیقت Establishment کا دباؤ ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ فریقین اگر رضامند ہوں تو عدالتی فیصلہ کے کامیاب نفاذ

---

[1] اس حوالے سے ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی کا ایک مقالہ اسلامی ملکوں کے دساتیر اور عدالتی نظاموں کے تقابلی مطالعہ پر مبنی ہے، جو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے ۲۰۱۷ء میں منعقدہ ایک سہ روزہ سیمینار میں پیش کیا تھا اور اسے مختصر طور ماہنامہ محدث لاہور کی اشاعت مئی ۲۰۱۷ء میں شائع کر دیا گیا ہے جو ایک قابل مطالعہ بحث ہے۔

کے لیے 'تحکیم' کا طریقہ کار بھی اختیار کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق عدل کے اوپر احسان کا اضافہ بھی ملحوظ ہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے حکمران والد کے بعد جو تحکیم کی تھی اسے قرآن کریم نے سراہا ہے۔

چنانچہ سورۃ النحل میں عدل کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی کی تلقین کی گئی ہے، ارشاد باری ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ [النحل: ۹۰]

"اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں جبکہ بے حیائی، منکرات اور سرکشی سے منع کرتے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

مزید برآں قرآن کریم کی سورۃ الزمر میں اچھی باتوں کو غور سے سن کر زیادہ اچھے پہلو اختیار کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ [الزمر: ۱۸]

"جو لوگ بات کو توجہ سے سنتے ہیں پھر اس کا زیادہ اچھا پہلو اختیار کرتے ہیں وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور وہ لوگ عقلمند بھی ہیں۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی پسندیدہ دعا یہ تھی:

يا معلم إبراهيم ! علمني ويا مفهم سليمان! فهمني[1]

"اے ابراہیمؑ کو حق کا شعور دینے والے! مجھے علمی سوجھ بوجھ عطا کر دے اور سلیمانؑ کو معاملہ سمجھانے والے! میرا سینہ بھی کھول دے۔"

ایسے ہی ایک اور معاملہ میں سیدنا داؤدؑ اور سیدنا سلیمانؑ نے دو مختلف فیصلے کیے تھے، جب دو ماؤں کے درمیان بچہ کے حصول کے لیے نزاع تھا۔ سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

كَانَتِ امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا، جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ إِحْدَاهُمَا، فَقَالَتْ لِصَاحِبَتِهَا:

[1] إعلام الموقعين از حافظ ابن قيم: فائدہ نمبر ۶۱

إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ، وَقَالَتِ الأُخْرَى: إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ، فَتَحَاكَمَتَا إِلَى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ فَقَضَى بِهِ لِلْكُبْرَى، فَخَرَجَتَا عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلاَمُ فَأَخْبَرَتَاهُ، فَقَالَ: ائْتُونِي بِالسِّكِّينِ أَشُقُّهُ بَيْنَهُمَا، فَقَالَتِ الصُّغْرَى: لاَ تَفْعَلْ يَرْحَمُكَ اللَّهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضَى بِهِ لِلصُّغْرَى " قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: «وَاللَّهِ إِنْ سَمِعْتُ بِالسِّكِّينِ قَطُّ إِلَّا يَوْمَئِذٍ، وَمَا كُنَّا نَقُولُ إِلَّا المُدْيَةَ» [بخاري:٦٧٦٩]

"دو عورتیں تھیں اور ان کے ساتھ ان کے دو بچے بھی تھے، بھیڑیا آیا تو ایک بچے کو اٹھا کر لے گیا، اس حادثے کے بعد اس کی ماں نے ساتھی سے کہا کہ بھیڑیا تیرے بچے کو لے گیا ہے، جس پر ساتھی عورت نے جواب دیا کہ وہ قطعی طور پر تیرا ہی بچہ تھا۔ اب دونوں عورتیں اپنا مقدمہ سیدنا داوٗدؑ کے پاس لائیں تو آپ نے فیصلہ بڑی کے حق میں کر دیا۔ وہ دونوں فیصلہ سن کر سلیمانؑ کے پاس چلی گئیں اور انہیں ساری صورتحال بتائی۔ سلیمانؑ نے پہلے کہا کہ چھری لاؤ، میں لڑکے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو ایک ایک حصہ دے دوں گا۔ اس پر چھوٹی عورت بول اٹھی کہ ایسا نہ کیجئے، آپ پر اللہ رحم کرے! یہ بچہ بڑی عورت ہی کا ہے، یہ سن کر سلیمانؑ نے فیصلہ چھوٹی عورت کے حق میں کر دیا۔

ابو ہریرہؓ نے کہا کہ واللہ! میں نے سکین (چھری) کا لفظ پہلی مرتبہ نبی ﷺ کی زبان سے اس دن سنا تھا کیونکہ ہم چھری کے لیے اپنی زبان میں مُدیة کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے۔"

اس نزاع میں حضرت داوٗدؑ نے اپنے حکومتی منصب کی رو سے عدالتی فیصلہ کیا تھا۔ جس کے بعد جب دونوں عورتیں باہمی رضامندی سے اپنے معاملے کو حضرت سلیمانؑ کے پاس لے گئیں تو سلیمانؑ نے اپنی حکمت عملی کے ذریعے یہ معلوم کر لیا کہ بچہ کس ماں کا ہے؟ لہٰذا انہوں نے چھوٹی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا اور وہ اس لیے نافذ ہوا کہ یہ تحکیم تھی۔ واضح ہوا کہ عدالتی فیصل کے بعد بھی ثالثی فیصلے فریقین کی رضامندی کی بنا پر آگے پیچھے جمع ہو سکتے ہیں۔ ایسی کئی مثالیں حافظ ابن قیم نے الطرق الحکمیة میں ذکر کی ہیں۔

قرآن کریم نے گھریلو نزاعات کے بارے میں میاں بیوی کو اکٹھا رکھنے کے لیے آخری حل 'تحکیم' کا طریقہ بتایا ہے تاکہ خاندانی نظام بچ جائے۔ سورۃ النساء کی درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ

عَلِيًّا كَبِيرًا (٣٤) وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا (٣٥)

"مرد عورتوں کے محافظ و منتظم (حاکم) ہیں (ایک) اس لئے کہ اللہ نے بعض (یعنی مردوں) کو بعض (یعنی عورتوں) پر فضیلت دی ہے اور (دوسرے) اس لئے کہ مرد (عورتوں پر) اپنے مال سے خرچ کرتے ہیں۔ سو نیک عورتیں تو اطاعت گزار ہوتی ہیں اور جس طرح اللہ نے (شوہروں کے ذریعہ) ان کی حفاظت کی ہے۔ اسی طرح پیٹھ پیچھے (شوہروں کے مال اور اپنی ناموس کی) حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں اور وہ عورتیں جن کی سرکشی کا تمہیں اندیشہ ہو انہیں (نرمی سے) سمجھاؤ (بعد ازاں) انہیں ان کی خواب گاہوں میں چھوڑ دو اور (آخر کار) انہیں مارو۔ پھر اگر وہ (کسی بھی سطح پر) تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو پھر ان کے خلاف کوئی اور اقدام کرنے کے راستے تلاش نہ کرو۔ یقیناً اللہ (اپنی کبریائی میں) سب سے بالاتر اور بڑا ہے۔"

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے خاوند کو قوّام قرار دے کر گھر کا سربراہ بنایا ہے اور اچھی بیوی کے اوصاف قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ.... آیت میں ہی موجود ہیں۔ شوہر سے بار بار الجھاؤ کو 'نشوز' سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کا پہلا علاج تین تدریجی اقدامات کی صورت میں بتادیا گیا ہے۔ اگر یہ تینوں تدبیریں ناکام ہوجائیں تو رشتہ ٹوٹنے کا شدید خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، لہٰذا اس قیمتی رشتے کو بچانے کے لیے حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا کا آخری طریقہ کار بتایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بربادی کی بجائے / خانہ آبادی کے لیے 'جذباتی فضا' کو ٹھنڈے انداز میں بدل دیا جائے۔ یعنی میاں بیوی کی طرف سے بااختیار نمائندگان مقرر کر لیے جائیں جو میاں بیوی کے درمیان مفاہمت کی کوئی راہ سوچیں تاکہ گھرانہ بچایا جاسکے۔

مذکورہ 'حکمین' غلط صحیح یا حق وباطل کی باریکیاں طے کرنے کے لیے نہیں ہوتے بلکہ وہ صرف صلح کے لیے کوشاں ہوتے ہیں ۔ حق وباطل (درست یا غلط) قرار دینے کا حق نہیں رکھتے گویا کہ وہ مفاہمت (تحکیم) ہوتی ہے۔ حکمین حق وباطل کا حامل عدالتی فیصلہ نہیں کرسکتے۔ چنانچہ 'طلاق' یعنی جدائی کا فیصلہ کرنا ان کا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ صرف صلح کی صورتیں ہی تلاش کرسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں شوہر قوّام ہوتا ہے اور عورت کو اس کے مال اور اولاد کے بارے میں اپنی ذمہ داریاں اس سے مشاورت / ہدایت کے مطابق ادا کرنی چاہئیں۔

الحاصل

① تحکیم کا فیصلہ باہمی موافقت کی بنا پر نزاعات کا پسندیدہ حل ہوتا ہے ، خصوصاً جب عدالتی فیصلہ سے کسی مشکل پیش آنے کا خطرہ ہو، ورنہ عدالتی فیصلہ ہی حقوق وفرائض کے سلسلے میں حق وباطل کا امتیاز بنتا ہے، لہٰذا نزاع کی صورت میں پہلے مصالحت کرانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل اور حضرت عمر کی ہدایت میں مصالحت کرانے کا پہلے ذکر ملتا ہے، پھر عدالتی حتمی فیصلہ کا۔

② البتہ اگر عدالتی فیصلہ ہو جانے کے بعد بھی فریقین مصالحت پر رضامند ہو جائیں تو عدالتی فیصلہ کے باوجود مصالحت کرائی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد کے فیصلوں کے بعد حضرت سلیمان نے فریقین کی رضامندی سے دونوں کے درمیان عدالتی فیصلے کے برعکس معاملے پر مصالحت کرادی۔ یہ بہتر ہے، کیونکہ اس سے فریقین حقیقی طور پر نزاع ختم کردیتے ہیں اور باہم چپقلش بھی پیدا نہیں ہوتی اور عدالتی فیصلے کے بعد تحکیم کی صورت میں عدل کے ساتھ احسان بھی جمع ہو جاتا ہے، جو قابل تعریف امر ہے۔

③ ثالث فریقین کی باہمی رضامندی سے ہی بنائے جاسکتے ہیں اور وہ فریقین کی باہمی طے کردہ شرط کے تحت ہی صلح کرواسکتے ہیں، جبکہ عدالت کا جج حکومت یا کسی بااختیار حیثیت کے حامل شخص کی طرف سے مقرر کردہ ہوتا ہے۔

④ فریقین میں کوئی بھی ثالث کو فیصلہ (تحکیم) کرنے سے قبل کسی معقول وجہ کی بنا پر روک سکتا ہے جبکہ کوئی فریق عدالت کے جج کو ہٹا سکتا ہے اور نہ فیصلہ سے روک سکتا ہے، الا یہ کہ کوئی فریق جج کو فیصلہ کے لیے نااہل یا جانبدار ثابت کردے۔

⑤ ثالث کا فیصلہ ماننا تو ضروری ہے لیکن معقول وجوہات پیش کر کے فریقین کی رضامندی سے چھوڑا بھی جاسکتا ہے، جبکہ عدالت کے جج کا فیصلہ ہر حالت میں ماننا پڑتا ہے، کیونکہ یہ حق وباطل کا امتیاز ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ حق وباطل کی نشاندہی صرف دیوانی معاملات میں ہوتی ہے جبکہ دنیا میں فوجداری امور کے متعلق شرعی حکم سزا ہو یا تاوان تو لازماً لاگو ہوگا، اگرچہ توبہ وغیرہ کی صورت اخروی معاملات اللہ کے سپرد ہوتے ہیں۔

عورتوں کا لباس اور جنسی تشدّد

ذوالفقار علی چیمہ
سابقہ آئی جی موٹروے پولیس

جو شخص یہ کہتا ہے کہ ایک باحجاب اور ایک نیم عریاں عورت کو دیکھ کر مردوں کا ردِ عمل ایک جیسا ہوتا ہے یا یہ کہ عورت کے بدن پر کسے ہوئے یا اس کے اعضاء کو نمایاں کرنے والے لباس سے مردوں کے جنسی جذبات پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اس کا جنسی جرائم سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ صریحاً جھوٹ بولتا ہے، کسی خاص ایجنڈے کے تحت حقائق چھپانے کی کوشش کرتا ہے، یا بدترین احساسِ کمتری اور مغربی کلچر کی غلامی کا شکار ہے۔ چند روز قبل ایک نجی چینل پر ایک اینکر کی کیفیت حیرانی کا باعث بنی۔ ویسے تو وہ پی ٹی آئی کا جیالا بنا ہوتا ہے لیکن عورتوں کے مختصر لباس کے بارے میں وزیرِ اعظم کے بیان پر وہ برافروختہ تھا۔ کسی نے لباس کے معاملے میں قرآنی حکم کا حوالہ دیا تو اس نے دو تین سوال جڑ دیے کہ: پاکستان کوئی اسلامی ملک نہیں ہے، لہٰذا یہاں مذہبی حوالے کیوں دیے جا رہے ہیں؟ وزیرِ اعظم کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ لباس پر بات کریں؟ وزیرِ اعظم کوئی ریفارمر نہیں ہوتا کہ ایسی باتیں کرے۔

ایک دو اور چینلز پر بھی ایسا ہی دیکھا گیا۔ اگر کسی خاتون نے اللہ کے حکم کا ذکر کیا تو اسے یہ کہہ کر مدافعت پر مجبور کرنے کی کوشش کی گئی کہ "مذہب کارڈ مت استعمال کریں"۔ میں وزیرِ اعظم کے بیان کی بات نہیں کروں گا، اس لیے کہ میں نہیں جانتا کہ انھوں نے کس سوچ کے تحت یہ بات کی ہے۔ دوسرا یہ کہ انھوں نے تنقید کے جواب میں چپ سادھ لی ہے اور تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اب بھی کسی اپوزیشن لیڈر کی طرح باتیں کرتے ہیں، عمل نہیں کرتے۔ نام وہ (غالباً عوام کی اکثریت کو خوش کرنے کے لیے) ریاستِ مدینہ کا لیتے ہیں مگر وزراء (ایک آدھ کے سوا) کچھ اور باتیں کرتے ہیں۔ خواتین کے ڈیسنٹ اور باحیا لباس کی ترویج کے لیے انہوں نے عملاً کچھ بھی نہیں کیا۔

اسلام کے نام پر قائم ہونے والے اس ملک میں ہماری بہنوں اور بیٹیوں کے حیاء کے قلعے کو مسمار کیا جا رہا

ہے، ان کے سر سے دوپٹہ چھین لیا گیا ہے۔ مگر وہ تین سال سے حکمران ہوتے ہوئے صرف تماشا دیکھ رہے ہیں۔ مگر میں اس موضوع پر اس لیے بات کرنے کا حق رکھتا ہوں کہ تین دھائیوں سے زیادہ Law Enforcement میں گزارنے اور جنسی تشدّد کے مرتکب سیکڑوں مجرموں کو انٹیروگیٹ کرنے کی وجہ سے ان کی سوچ سے واقف ہوں، اس لیے میں اینکرز اور دوسرے ماہرین وغیرہ (جن کے پاس صرف کتابی علم ہے) سے زیادہ باخبر ہوں۔

پہلے اینکر کے سوالوں کی جانب آتے ہیں۔ اُس کے سوال ہی اس کی ذہنی سطح کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایک عام پڑھا لکھا شخص بھی جانتا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے کیونکہ اس کے آئین میں درج ہے کہ یہاں قرآن اور سنّت یعنی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات کے منافی نہ کوئی قانون بنایا جاسکتا ہے اور نہ اسے نافذ کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو معاشرے کی اصلاح قوم کے لیڈر نہیں کریں گے تو کیا فلمی ایکٹرز اور ڈانسرز کریں گے؟۔ معاشرے کی اصلاح حکمرانوں کے فرائض میں شامل ہے۔ اسلام کے اوّلین دور میں حکمران زبانی اور ذاتی طرزِ عمل سے قوم کی اصلاح کرتے رہے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد بیشمار لوگوں نے قائداعظم کی دیانتداری، اصول پسندی، ڈسپلن اور کفایت شعاری دیکھ کر اسے اپنایا۔ کئی باعمل علماء نے ہزاروں لوگوں کی زندگیاں تبدیل کردیں۔ معاشرے کی اصلاح میں اینکرز سمیت ہر شخص اپنا کردار ادا کرسکتا ہے اور اسے یہ فرض ادا کرنا چاہیے۔ ایک پروگرام میں مسلم لیگ ن کے محمد زبیر فرمارہے تھے کہ اب تو سعودی ولی عہد پرنس محمد نے بھی وہاں سے Moral Police ختم کردی ہے تو یہاں لباس کو morality یا مذہبی اقدار کی کسوٹی پر کیوں پرکھا جارہا ہے۔ ارے بھائی پاکستان کے مسلمانوں کے لیے نہ سعودی عرب رول ماڈل ہے اور نہ ولی عہد کا فرمان سرچشمۂ ہدایت۔ ہمارے لیے ذریعہ ہدایت خالق کائنات کا فرمان اور سرچشمۂ ہدایت صرف نبی کریم ﷺ کی سنّت ہے۔ مسلم لیگ ن کو چاہیے کہ محمد زبیر کو صرف اقتصادی امور پر بات کرنے کے لیے بھیجا جائے۔ پاکستان کے تمام باشعور خواتین و حضرات جانتے ہیں کہ عورت کے ستر اور اعضاء کو نمایاں کرنے والا لباس ہماری سوسائٹی میں نامناسب اور قابلِ اعتراض سمجھا جاتا ہے۔ یورپ کے معزز گھرانوں کی خواتین بھی ایسے لباس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہیں، یورپ ہی کے کئی ممتاز اور معتبر اداروں کے سروے اور رپورٹیں چھپ چکی ہیں جن میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ عورتوں کا Revealing Dress (اعضاء کی نمائش کرنے والا لباس) مردوں کے جنسی جذبات اُبھارنے کا سبب بنتا ہے۔ جب یہ جذبات بے قابو ہوجاتے ہیں تو ریپ جیسے جرائم پر منتج ہوسکتے ہیں۔ کیا اینکرز نہیں جانتا کہ فلموں

اور ڈراموں میں "سیکسی ڈریس" کی اصطلاح عام ہے جس کا مطلب ہی ایکٹرسوں کا وہ لباس ہے جس سے فلم بینوں کے جنسی جذبات ابھارے جاسکیں۔ لاہور میں ایس پی سٹی کے طور پر مجھے چند کیسوں میں فلمی ایکٹرسوں سے بھی پوچھ گچھ کی ذمّہ داری سونپی گئی۔

اُن کا کہنا تھا کہ وہ خود تو بے حیائی والا لباس پسند نہیں کرتیں مگر کچھ ڈائریکٹروں کی ہدایت ہوتی ہے کہ "ایسا سیکسی لباس پہنو جس سے دیکھنے والوں کے جذبات کو آگ لگ جائے۔" ایسی فلمیں دیکھ کر نکلنے والے تماش بین جنسی جرائم کا ارتکاب کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ نامناسب اور Vulgar لباس کے حامی میڈیا پر انتہائی بودے دلائل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ چار سالہ بچّی نے کونسا نامناسب لباس پہنا ہوتا ہے اور وہ درندگی کا نشانہ کیوں بنتی ہے؟ ایسے واقعات میں ملوّث سیکڑوں مجرموں سے پوچھ گچھ کی گئی، ان میں سے نوّے فیصد سے زیادہ مجرم جنسی ناآسودگی کا شکار ہوتے ہیں، بعض اوقات جنسی بھوک اُن پر اس طرح سوار ہوتی ہے کہ اسے مٹانے کے لیے وہ عقل وشعور کھو بیٹھتے ہیں اور کچھ بھی کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اسّی فیصد نے پوچھ گچھ کے دوران بتایا کہ وہ دوستوں کے ساتھ بلیو فلمیں دیکھتے رہے جس سے ان کے جنسی جذبات اس قدر برانگیختہ ہوئے کہ اُن پر شیطان سوار ہو گیا اور وہ کسی آسان ٹارگٹ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ان حالات میں وہ اپنے کسی جاننے والے کے بچّے یا بچّی کو ورغلاتے ہیں، کیونکہ وہ بیچارے مزاحمت نہیں کرپاتے۔ جب وہ کسی معصوم بچّے یا بچّی کے ساتھ ایسی درندگی کا مظاہرہ کرچکتے ہیں تو پھر انھیں خوف لاحق ہوتا ہے کہ یہ بچّی تو مجھے جانتی ہے یا یہ بچہ اب اپنے والدین کو بتادے گا اور وہ مجھے ماردیں گے، لہٰذا وہ اپنے جرم کے واحد عینی گواہ (Victim) کو ہی قتل کردیتے ہیں تاکہ ان کے جرم کے بارے میں کوئی کچھ نہ بتاسکے۔

سوال یہ ہے کہ مجرم اس حالت تک کب پہنچتا ہے کہ جب اس کے جذبات بالکل بے قابو ہو جائیں۔ اسّی فیصد کیسوں میں یہ تب ہوتا ہے جب مجرم بلیو فلمیں دیکھتا ہے۔ جنسی فلموں کی اداکارائیں تو سامنے موجود نہیں ہوتیں مگر وہ تماش بینوں کے جذبات میں ایسی آگ لگا جاتی ہیں کہ اس آگ میں معاشرے کا امن اور سکون بھسم ہو جاتا ہے۔ نامناسب لباس کے حامیوں نے نہ جانے یہ کہاں سے سن رکھا ہے کہ ریپ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ مرد عورت کو اپنی بڑائی یا طاقت دکھانا چاہتا ہے اور یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ عورت کمزور مخلوق ہے اور مرد جس طرح چاہے اس کے ساتھ سلوک کرے۔ یہ بھی ایک نہایت کمزور دلیل ہے جس کا نوّے فیصد کیسوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

ایک معصوم بچّی کو شیطانیت کا نشانہ بنا کر مجرم چار سالہ بچّی کے سامنے اپنی کونسی بڑائی اور بالادستی ثابت

کرنا چاہتا ہے؟ ایسا صرف چند کیسوں میں ہوتا ہے جہاں کوئی امیر یا مقتدر شخص کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہے مگر لڑکی انکار کر دے تو وہ شیطان صفت مرد اپنی ناکامی کو اپنی توہین سمجھتے ہیں اور بدلہ لینے کے لیے لڑکی کو اغوا کر کے درندگی کا نشانہ بنا دیتے ہیں یا اس کے منہ پر تیزاب پھینک کر اس کا چہرہ مسخ کر دیتے ہیں۔ ایسے شیطانوں کو یقیناً سرعام سزائے موت ملنی چاہیے، راقم خود ہر فورم پر ایسے مجرموں کے لیے سزائے موت کی بات کرتا رہا ہے۔ مگر عورتوں کے نامناسب لباس کی حامی خواتین مجرموں کی حمایت میں نکل کھڑی ہوتی ہیں اور ان درندوں کو سزائے موت دینے کی مخالفت کرتی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یورپ میں تو عورتوں نے بڑا مختصر لباس پہنا ہوتا ہے وہاں تو مردوں کے جذبات برانگیختہ نہیں ہوتے۔ ارے بھائی حقائق معلوم کریں تو آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ ایک تو یہ کہ وہاں جذبات دل میں رکھنے یا چھپانے کے بجائے لڑکیوں کے بوائے فرینڈز انھیں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔

وہاں شور اس لیے نہیں ہوتا کہ والدین اس تلخ حقیقت سے سمجھوتہ کر چکے ہیں۔ ویسے یورپ، سکینڈے نیویا اور امریکا میں ریپ اور Sexual Assault کے واقعات پاکستانی اور اسلامی ملکوں سے کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں۔ مختصر اور قابلِ اعتراض لباس کے حامی اچھی طرح جانتے ہیں کہ عورتوں کے Vulgar لباس پر اعتراض کرنا مجرموں کی حمایت ہرگز نہیں ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بدکاری کی دعوت دینے والا لباس بھی جنسی تشدد کے واقعات کا سبب بنتا ہے۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ وہ کس کے کہنے پر اس قدر تلملا رہے ہیں؟

عورتوں کے نامناسب لباس کا دفاع کرنے والوں کی تلملاہٹ کے پیچھے ایک تو فیشن انڈسٹری کی کھربوں روپوں کی سرمایہ کاری ہے جس کی وجہ سے انڈسٹری کے کارپردازوں نے اپنے کارندوں کو یہ ٹاسک سونپ رکھا ہے کہ جونہی کوئی عورتوں کے مختصر یا بیہودہ لباس پر تنقید کرے، فوراً تابڑ توڑ حملے کر کے اُسے خاموش کر دو یا مدافعانہ رویّہ اختیار کرنے پر مجبور کر دو، کہیں کوئی مذہبی یا مشرقی اقدار کے حوالے دے کر عورتوں کے لیے ڈیسینٹ یا باحیا لباس کی بات کرے تو اس پر Victim Blaming کا الزام لگا کر ایسا دھاوا بولو کہ آیندہ کوئی لباس کو زیرِ بحث لانے کی جرأت ہی نہ کرے۔

اس جارحانہ پالیسی سے وہ ایسا "سازگار ماحول" پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ جس میں فیشن انڈسٹری کا کاروبار بھی پھلتا پھولتا رہے اور اُن عالمی قوتوں کے ایجنڈے کی تکمیل بھی ہوتی رہے جو ہمارے حیا کے قلعے کو تباہ و برباد کر دینا چاہتی ہیں اور اُس پر پوری قوت سے حملہ آور ہو چکی ہیں۔

خواتین کے لباس پر مردوں کے ردِّ عمل کے بارے میں ہمارے اپنے ملک کے کئی قابلِ اعتماد اداروں کی

سروے رپورٹس آچکی ہیں جن کے مطابق نوے فیصد مردوں کا کہنا ہے کہ نامناسب لباس میں عورتوں کو دیکھ کر ہمارے جنسی جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔

ستر فیصد مردوں نے اقرار کیا کہ ''تعلیمی اداروں اور دفتروں میں دوپٹوں سے بے نیاز لڑکیوں، عورتوں کو دیکھ کر ہمارے جنسی جذبات بے قابو ہونے لگتے ہیں اور پھر اُن پر ہم آوازے بھی کستے ہیں اور سیٹیاں بھی بجاتے ہیں۔ باحجاب خواتین کو دیکھ کر کبھی جذبات نہیں مچلتے بلکہ دل پر ان کا رعب طاری ہو جاتا ہے۔ گھریلو ملازموں کے ہاتھوں قتل ہونے والی خواتین کے بارے میں تفتیشی رپورٹس بتاتی ہیں کہ اسی فیصد کیسوں میں نوجوان ملازم گھر کی خواتین کو نیم عریاں دیکھ کر درندے بن جاتے ہیں اور زیادتی کر کے انھیں قتل بھی کر دیتے ہیں''۔

یہاں سینہ ڈھانپنے والی قرآنی احکامات کی حکمت واضح ہو جاتی ہے، انسانوں کے خالق سے زیادہ انسانی جذبوں اور جبلتوں سے کون باخبر ہو سکتا ہے، ربِّ ذوالجلال حکم دیتے ہیں:

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ. (سورہ نور:۳۱)

''اے نبی! مومن عورتوں سے کہو کہ اپنی نظریں جھکا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں''

خالق نے عورت کو جسمانی حسن اور کشش عطا کی ہے مگر اس کی عزت اور عصمت کے تحفظ کا مؤثر انتظام بھی کیا ہے۔ سب سے پہلے مردوں کی آنکھوں پر پہرہ لگا دیا ہے کہ وہ عورت کے جسم کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھیں گے۔

پھر عورت پر بھی لازم ہے کہ وہ نگاہیں جھکا کر رکھے اور ایسا لباس پہنے جس سے اس کا جسم نمایاں نہ ہو، اسے ایسا لباس پہننے سے منع کر دیا گیا ہے جو دیکھنے والے مردوں کے جنسی جذبات میں ہیجان اور طوفان برپا کر دے۔ ہمارے لبرل دوستوں نے صرف Victim Blaming کی اصطلاح سن رکھی ہے، انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یورپ اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں نئی تھیوری آچکی ہے کہ "Victim is not always innocent"
Victim ہمیشہ بے قصور نہیں ہوتا۔

جاپان اور کئی دیگر ترقی یافتہ ملکوں میں جس طرح پراپرٹی کے تحفظ کے لیے حفاظتی تدابیر بتائی جاتی ہیں، اسی

طرح اب خواتین کو rapists سے بچاؤ کے لیے جو گائیڈ لائینز دی جاتی ہیں ان میں Provocative dress سے گریز بھی شامل ہے۔ چین میں نوجوان لڑکیوں کو یہ کہاوت سنائی جاتی ہے کہ "گوشت ڈھانپ کر رکھیں ورنہ اس پر منہ مارنے کے لیے کُتّے اور بلّے پہنچ جائیں گے"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنسی زیادتی کی بہت سی وجوہات ہیں، کئی Psyco paths بھی اس جرم میں ملوّث ہوتے ہیں۔ ایسے نفسیاتی مریضوں میں مدرسے کا مولوی بھی ہو سکتا ہے اور ہالی وڈ کا معروف فلم ڈائریکٹر بھی، جس نے Entertainment کے تمام تر اسباب میسّر ہونے کے باوجود سو سے زیادہ عورتوں کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنا دیا تھا۔

مگر عورتوں کے بیہودہ لباس کو بالکل بری الذمّہ قرار دینا ذہنی بد دیانتی ہے۔ نامناسب لباس جنسی زیادتی کی واحد وجہ نہیں مگر یہ ایک بڑا Contributory factor ضرور ہے، جس طرح کسی ایسے بینک میں جس کا الارم سسٹم خراب ہو اور گارڈ بھی سو رہا ہو، ڈکیتی کی واردات ہونے کے بعد اس کے مینیجر کو مؤثر حفاظتی انتظامات نہ کرنے پر سخت سرزنش کی جاتی ہے، اسی طرح نامناسب لباس والی عورت اگر جنسی حملے کا نشانہ بنتی ہے تو مقدمے اور سزا کا حقدار تو مرد ہی ہو گا مگر عورت کو بھی تنبیہ ضرور کی جائے گی۔ بے حیا لباس کے علاوہ فحش فلمیں اور نیٹ پر دستیاب Porn matarial بھی جنسی تشدّد کا ایک بڑا سبب ہے۔

دو سال قبل میں لاہور میں ایک ایسے دوست کے بیٹے کی شادی میں شریک ہوا، جس کی والدہ ۱۹۴۷ میں آگ اور خون کے کئی دریا عبور کر کے اور اپنے خاوند، تین بیٹوں، دو بیٹیوں، تین بھائیوں اور دو بہنوں کو قربان کر کے اپنے خوابوں کی جنّت پاکستان میں داخل ہوئی تھیں۔ شادی میں خواتین اور نوجوان لڑکیوں کے نامناسب revealing اور نیم عریاں لباس دیکھ کر میرے دوست کی والدہ زار و قطار رونے لگیں، کچھ عورتوں نے آگے بڑھ کر کہا، "خالہ جان! آپ اس خوشی کے موقع پر کیوں رو رہی ہیں"؟ تو معمّر اور مُدبّر خاتون (جو اس خاندان کی سربراہ بھی ہیں) بولیں، "ہم نے اپنے جگر کے ٹکڑے ایسے پاکستان کے لیے نہیں کٹوائے تھے جہاں لڑکیاں ایسے بیہودہ اور فحش لباس پہنیں گی اور بے حیائی میں غیر مسلموں سے بھی آگے نکل جائیں گی"۔

دوسری خواتین کے ساتھ میرا دوست بھی والدہ صاحبہ کو چپ کرانے کی کوشش کرتا رہا مگر نہ اُن کے آنسو تھمتے تھے نہ ان کے دل کی پکار مدہم ہوتی تھی، وہ مسلسل یہی کہتی رہیں، "اگر نئے ملک میں یہی خرافات ہونی تھیں تو ہم نے اپنا خاندان کیوں برباد کرایا، ہم تو ہندوستان میں بڑے آسودہ حال تھے، ہم شہر کی سب سے بڑی حویلی میں رہتے تھے، ہمارے بزنس اور زمینیں تھیں، ہندو اور سکھ ہمارے ملازم اور مزارعے تھے، ہم وہیں

رہ جاتے، ہم تو سمجھتے تھے کہ ہم نیا ملک اس لیے بنا رہے ہیں کہ وہاں اللہ اور رسول ﷺ کا نظام چلے گا، وہاں عورتوں کا رہن سہن اسلام کے مطابق ہوگا، مگر یہاں تو رحمان کے بجائے شیطان کا نظام چلایا جارہا ہے۔ پھر میں نے سہاگ کیوں لٹوایا، اپنے جگر کے ٹکڑے کیوں کٹوائے، اپنی جان سے پیاری بیٹیاں اور بہنیں کیوں مروادیں"؟ مجمع پر سکتہ طاری ہوگیا۔ ان کے سوالوں کا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

بانیانِ پاکستان علامہ اقبالؒ، قائدِ اعظمؒ اور لیاقت علی خان اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال لوگ تھے مگر وہ بھی مسلمانوں کے لیے علیحدہ ملک، مسلم تہذیب وتمدّن کی بقاء اور حفاظت کے لیے حاصل کرنا چاہتے تھے، اگر وہ آکر آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جس پاکستان کا وہ خواب دیکھ رہے تھے اور جس پاکستان کے لیے لاکھوں بہنوں اور بیٹیوں کی عزّتیں قربان ہوئیں اُس پاکستان سے ہم جیسے ذہنی غلاموں نے مسلم تہذیب کا جنازہ نکال دیا ہے، وہاں احساسِ کمتری کا شکار مسلمان بیٹیاں وہی لباس پہنتی ہیں جو یورپ میں غیر مسلم عورتیں پہنتی ہیں اور اُن کے پاکستان کے ٹی وی چینلوں پر وہی بیہودہ پروگرام چلتے ہیں جو دہلی اور بمبئی میں چلتے ہیں تو وہ یہ صدمہ کبھی برداشت نہ کرسکیں گے۔

ہماری بیٹیوں اور بہنوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عریانی ماڈرن ازم نہیں ہے۔ کم لباسی اور بے حیائی جدید دور کی ایجادات نہیں ہیں، یہ تو صدیوں پرانے دورِ جاہلیّت کا کلچر ہے، حضرت محمّد ﷺ کے عظیم انقلاب سے پہلے عورتیں، میلوں ٹھیلوں اور Public Gatherings میں عریاں پھرتی تھیں حتیٰ کہ خانہ کعبہ کا طواف بے لباس ہوکر کرتی تھیں۔ رسولِ خدا ﷺ نے انسانوں کو جب ایک نئی اور بہترین تہذیب کا تحفہ دیا تو عورتوں کو حیاء کے جوہر سے آشنا کیا۔ خالقِ کائنات نے انسانوں کے حقوق، رہن سہن، شادی، طلاق، وراثت، خوراک اور لباس کے بارے میں واضح احکامات دیے ہیں۔ اگر ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور اسی حیثیت سے اپنی شناخت کرانا چاہتے ہیں تو ہمیں اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات میں سے Pick and Choose کا اختیار نہیں ہے۔

اگر ہم کسی ادارے کے ملازم ہیں تو کیا مالک یا ایم ڈی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں آپ کے ۴۰٪ احکام مانوں گا/گی مگر باقی میں میری مرضی ہوگی، ایسا کہیں گے تو فوراً نوکری سے نکال دیے جائیں گے، دنیاوی سیٹھ یا ایم ڈی کے تو ہم صرف employee ہوتے ہیں، ربِ ذوالجلال کے ہم ملازم یا نوکر نہیں بلکہ غلام ہیں۔ وہاں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں حج کرلوں گا مگر سود نہیں چھوڑوں گا، یا میں زکوٰۃ دے دوں گی اور میلاد کروالوں گی مگر لباس اپنی مرضی کا پہنوں گی اور اس معاملے میں اللہ اور رسول ﷺ کی ہدایات نہیں مانوں گی۔

کسی پرائیویٹ کالج کی لیکچرر یہ جرأت نہیں کرسکتی کہ ادارے کے سربراہ کے احکامات کی معمولی سی بھی خلاف ورزی کرے، کوئی ٹی وی اینکر چینل منیجمنٹ کی ہدایات سے روگردانی نہیں کرتا، چاہے اُسے جانبداری کے طعنے ہی کیوں نہ سننا پڑیں۔ مگر کائناتوں کے مالک کے احکامات کی ہم کتنی آسانی اور دیدہ دلیری کے ساتھ خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے ہمیں کوئی guilt محسوس ہوتا ہے اور نہ خوف۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے ذہنوں میں خالق کائنات کے عجیب قسم کے تصورات پال رکھے ہیں۔ بہت سوں نے خالق ومالک کے غیر واضح تصور کے لیے 'اوپر والا' جیسے الفاظ تراش لیے ہیں۔ ہم مسلمان کہلانے والوں کی اچھی خاصی تعداد یہ سمجھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ 'بڑے پیر صاحب' قسم کی کوئی شخصیت ہیں جو ہماری عید کی نماز، حج اور خیرات وغیرہ سے خوش ہوجاتے ہیں ورنہ انہیں ہمارے معاشرتی، تمدنی، سیاسی اور معاشی معاملات سے کوئی غرض نہیں، اس لیے ہمیں دنیاوی معاملات میں آسمانی ہدایت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کا تصور اور انسان کا اپنے خالق ومالک سے رشتہ، یہی وہ بنیادی نظریہ ہے جو ہماری سوچ اور طرزِ عمل کی تشکیل کرتا ہے، اسی سے پوری تہذیب وجود میں آتی ہے اور اسی سے لباس سمیت پورے کلچر کا تعین ہوتا ہے۔

ہم جیسے غلام ابنِ غلام، اور احساسِ کمتری کے مارے ہوئے کمزور ایمان والے پیدائشی مسلمان تو بدیسی اقوام سے مرعوب رہتے ہیں اور ان کی نقالی کرتے رہتے ہیں، لیکن وہ لوگ جو حق کی تلاش میں جدوجہد کرتے ہیں اور جنہیں بڑی محنت اور ریاضت کے بعد سچائی کی روشنی حاصل ہوتی ہے، وہ دل کی گہرائیوں سے مانتے ہیں کہ تمام کائناتوں کا مالک اور مختار اللہ تعالیٰ ہے، اُس نے انسانوں کو ایک خاص مقصد (امتحان) کے لیے پیدا کیا ہے، ہماری موت کے بعد وہ ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا اور دنیا میں کیے گئے اعمال کے مطابق ہمیں جزا یا سزا دے گا۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمان ہونے کا مطلب complete submission یعنی اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنا یا اس کی غلامی میں دے دینا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی ان کی ترجیحِ اوّل بن جاتی ہے۔ پھر ایسے مرد مالِ حرام اس لیے نہیں کماتے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ایسی خواتین لباس کا انتخاب کرتے وقت یہ نہیں دیکھتیں کہ فیشن کا کیا تقاضا ہے یا ٹرینڈ کیا ہے بلکہ وہ یہ دیکھتی ہیں کہ یہ لباس پہننے سے میرا جسم نمایاں ہوگا جس سے میرے اللہ نے منع فرمایا ہے، لہٰذا میں ایسا لباس پہنوں گی جس کے پہننے سے رب ذوالجلال مجھ سے خوش ہو۔ اللہ کا ڈر اور اس کی خوشنودی کا حصول ان کی زندگی کا محور اور driving force بن جاتا ہے۔

پاکستانی میڈیا اپنی کمرشل ضروریات کا قیدی ہے اور ہماری نام نہاد اشرافیہ صدیوں سے احساسِ کمتری کا

شکار۔ اس لیے پاکستانی خواتین ضرورت سے زیادہ ہی مرعوبیت کا شکار ہیں مگر یورپ اور امریکا میں رہنے والی نو مسلم خواتین کسی قسم کے es Complex کا شکار نہیں ہوتیں اور اسلامی شعائر کا پورے اعتماد، جرأت اور مضبوط دلائل کے ساتھ دفاع کرتی ہیں۔ نو مسلم برطانوی صحافی ایوان ریڈلے کئی بار کہہ چکی ہیں کہ

"مغرب با حجاب اور پاکیزہ زندگی گزارنے والی خواتین سے خوفزدہ ہے، اسلام ہی انسانوں کو اور خصوصاً عورتوں کو سب سے زیادہ حقوق دیتا ہے۔"

وہ اکثر کہتی ہیں کہ "میرا حجاب میرا قلعہ اور میرا سائبان ہے۔ یہ عورت کا محافظ اور باڈی گارڈ ہے۔"

سابق برطانوی وزیرِاعظم ٹونی بلیئر کی بیگم کی سگی بہن "لارن بوتھ" کی وڈیوز قارئین نے دیکھی ہوں گی۔ ایک تقریب میں ان کی دونوں معصوم بیٹیاں ان کے ساتھ کھڑی ہیں اور وہ حاضرین کو بتا رہی ہیں کہ "جب کافی مطالعے کے بعد میں اسلام کی طرف راغب ہوئی تو میں نے اپنی بیٹیوں کو بتایا کہ اب میں مسلمان ہونے جا رہی ہوں، اس پر انھوں نے مجھ سے کچھ سوال پوچھے، ایک سوال تھا، "Mom! will you open your chest to the public?" (ماما کیا آپ مسلمان ہونے کے بعد بھی سینہ نمایاں کر کے لوگوں میں پھریں گی؟) میں نے کہا "Oh no I will cover my whole body" اس پر انھوں نے بڑے زور سے پُر مسرت نعرہ لگایا"۔ پھر وہ سامعین سے مخاطب ہوئیں "میرا حجاب میرے مسلمان ہونے کا سمبل ہے، یہ میرے لیے شرف اور افتخار کا باعث ہے۔ مجھے حجاب سے اس لیے محبت ہے کہ میرے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشی اور خوشنودی اِس میں ہے"۔

دو سال پہلے وہ پاکستان تشریف لائیں تو ان سے ملاقات بھی ہوئی، ایک محفل میں وہ پاکستانی خواتین کو بار بار کہتی رہیں کہ "پاکستانی لڑکیوں کو بتائیں کہ عریاں اور ٹرانسپیرنٹ لباس پہننا یا ٹائٹس پہن کر خود کو نمایاں کرنا ماڈرن ازم نہیں، بے حیائی ہے۔ انھیں بتائیں کہ شیطان کا پہلا حملہ عورت کے لباس پر ہوتا ہے۔ مسلم خواتین کو اپنی تہذیب اور اپنے کلچر پر فخر کرنا چاہیے، مغرب، اسلامی معاشروں سے حیاء کا سرمایہ چھین کر مسلمان لڑکیوں کو بے حیا بنانا چاہتا ہے، وہ مسلمانوں کی حمیت ختم کرنے کے لیے حیاء کے قلعے کو مسمار کر دینا چاہتا ہے"۔

جاپانی نو مسلمہ خولہ لکاتا حجاب کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں، "میرا حجاب میرے لیے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرنے کی یاددہانی ہے۔ حجاب پہن کر مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں اللہ کے

زیادہ قریب ہو گئی ہوں۔ جس طرح پولیس اور فوج کا سپاہی وردی میں اپنے پیشے کے تقاضوں کا خیال رکھتا ہے اسی طرح حجاب بھی مجھ سے کچھ تقاضے کرتا ہے۔ اسلام عورتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ غیر مردوں سے اپنا جسم پوشیدہ رکھیں۔ اس کی حکمت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔ نیم عریاں یا ہیجان انگیز لباس کا مطلب ہوتا ہے 'اگر آپ کو میری ضرورت ہے تو میں تیار ہوں، جب کہ حجاب واضح طور پر بتاتا ہے "میں آپ کے لیے ممنوع ہوں۔"

میرے لیے بڑی بہن کی طرح محترم، لاہور کالج فار ویمن کی سابق وائس چانسلر ڈاکٹر بشریٰ متین صاحبہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں) سے اس موضوع پر بات ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ کہنے لگیں، "مجھ سے کچھ طالبات حیاء کے بارے میں جب کہتی ہیں، "میڈم! حیاء تو دل میں یا آنکھوں میں ہوتی ہے، اس کا لباس سے کیا تعلق ہے "تو میں انھیں بتاتی ہوں "بیٹا! کچھ لوگ بیہودہ لباس کے دفاع میں ایسی باتیں کرتے ہیں۔ حیاء کا لباس سے گہرا تعلق ہے۔ جو لڑکی اپنے جسم کے فیچرز اور اُبھار ڈھانپتی ہے وہ باحیاء ہے اور اگر کوئی لڑکی اپنے فیچرز اور خدوخال سرِعام دکھانے میں شرم محسوس نہیں کرتی تو وہ بے حیائی ہے"۔ انھوں نے بتایا کہ "میری ایک بیٹی ڈاکٹر ہے۔ ایک دن اس نے مجھے خود کہا کہ امّی میں پورے بازوؤں والی قمیض پہن کر اسپتال جایا کروں گی کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتی کہ وارڈ میں مریض میرے ننگے بازو دیکھتے رہیں"۔ ڈاکٹر صاحبہ نے مزید کہا، "نئی نسل کو بے حیائی سے بچانا ہمارا بہت بڑا چیلنج ہے۔ دہشت گردی سے بھی بڑا! اس کے لیے ماؤں اور ٹیچرز کو بھرپور کردار ادا کرنا ہو گا، انھیں چاہیے کہ بے حیائی کے خلاف ڈٹ جائیں اور پوری جرأت سے اس کے خلاف نفرت کا اظہار کریں۔ انھوں نے اپنے فرائض سے کوتاہی برتی تو وہ مجرم ٹھہریں گی۔ تاریخ کے کٹہرے میں بھی اور اللہ کی عدالت میں بھی"۔

اسلام کی اپنی تہذیب اتنی شاندار اور توانا ہے کہ اس کے پیروکار کسی اور تہذیب کی نقالی کریں تو حیرت ہوتی ہے۔ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کو چاہیے کہ اپنی مسلم تہذیب اور اقدار کے مطابق باحیا اور باوقار لباس پہنیں اور ہماری پبلک لائف کی معروف اور مقبول ترین خواتین مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح، محترمہ بینظیر بھٹو، اور بیگم کلثوم نواز وغیرہ کی پیروی کرتے ہوئے سر اور چیسٹ کو Cover کیا کریں۔ انھیں اخلاق باختہ عورتوں کی پیروی ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔

یہ درست ہے کہ قائدِ اعظمؒ پاکستان کو theocratic state نہیں بنانا چاہتے تھے مگر وہ ایسا پاکستان ہرگز نہیں چاہتے تھے جہاں برقی میڈیا پر اسلام سے بغض رکھنے والے عناصر کا قبضہ ہو اور وہ پردھان بن کر

شعائرِ اسلام پر دیدہ دلیری سے حملے کریں۔ بانیانِ پاکستان سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے پاکستان میں اللہ اور رسول ﷺ کے واضح احکامات پر "مذہبی کارڈ" کا لیبل لگا کر ان کی توہین کی جائے گی اور مسلمانوں کی علیحدہ شناخت ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

قیامت تک کے لیے انسانوں کے رہبر ورہنما حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے کہ "جس شخص میں حیاء نہیں پھر وہ جو چاہے کرے" یعنی ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ تمام زمانوں کی مسلم خواتین کی رول ماڈل جنابہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اعلیٰ ترین اوصاف کا مرقع تھیں اور ان کا سب سے درخشندہ وصف حیاء تھا، کون نہیں جانتا کہ خاتونِ اعظم کی وصیت تھی کہ "میرا جنازہ رات کو اُٹھایا جائے تاکہ میری میت پر بھی کسی غیر مرد کی نظر نہ پڑسکے"۔

میرا وجدان کہتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اس پاک سرزمین کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طالبات خود اٹھ کھڑی ہوں گی۔ وہ حیاء دشمن کلچر کو مسترد کرتے ہوئے اپنی تہذیبی اقدار کا پرچم لے کر نکلیں گی اور بیہودگی کے طوفان کا رخ موڑ دیں گی اور حیاء کے قلعے پر ہونے والے حملے کو ناکام بنا دیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ اس پاک سرزمین میں حیاء کا قلعہ کبھی مسمار نہیں ہوگا کیونکہ اس قلعے کی حفاظت کے لیے ہماری بیٹیاں اور بہنیں جب نبی اکرم ﷺ اور جنابہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی دعاؤں کی چھاؤں میں نکلیں گی تو کائناتوں کے خالق ومالک کی نصرت بھی ان کے ساتھ ہوگی۔

صنفِ نازک یا جنسِ مخالف

خالق فطرت نے جو مدبر کائنات بھی ہے، اس نے عورت کو ''صنفِ نازک'' بنایا ہے، جبکہ ہم اسے ''جنسِ مخالف'' بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ عورت کا فحش لباس اور کھلے عام نزاکت وادا کا اظہار ہو یا مرد کا جبر وتشدد، جسے جنسی ہراسگی کا نام بھی دیا جاتا ہے، یہ فطرت سے بغاوت کا نتیجہ ہے۔ اس کا علاج صرف خاندانی نظام کا تحفظ اور اسلامی معاشرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عصمت وعافیت نصیب فرمائے۔ (محدث)

روپڑی / مدنی خاندان کے فکر و عمل کے امتیازات

شیخ التفسیر حافظ محمد حسین امرتسری ۔۔۔کے تسلسل میں

مرتب: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

چونکہ 'فرقہ بندی' حق و باطل کی بجائے بغياً بينهم کی بنیاد پر پروان چڑھتی ہے، اس لئے 'تحریک اہل حدیث' کا تاریخی ارتقاء ہمیشہ دو پہلوؤں پر 'مدّ و جزر' کا شکار رہا کہ اہل حدیث ایک 'فرقہ' ہے یا اجتہاد و تحقیق کا نمائندہ 'مکتب فکر'۔ والد محترم کئی دفعہ اپنے دروس میں حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں کہ 'نقطہ نظر' کا یہی اختلاف مولانا داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی کے درمیان رہتا۔ اسی بناء پر برصغیر میں اہل حدیث علماء کی بہت بڑی تعداد 'جامد مقلدین' سے الگ ہونے کے باوجود 'اہل حدیث' نام سے نمایاں نہیں ہوئی جن میں مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک وسیع حلقہ، قصوری خاندان وغیرہ شامل ہیں۔ دادا گرامی کی سوچ بھی تقریباً یہی تھی جس کا اظہار وہ گروہی 'تنظیم سازی' کی موقع پر کرتے۔ ان کے مناظرے بھی صرف تحقیقی مقصد سے ہوتے۔ قارئین اہل سنت کی فرقہ بندی اور روپڑی ثنائی اختلافات کو اسی نظر سے دیکھیں۔

چونکہ 'ردّ تقلید کی تحریک' میں مخصوص فقہی مسائل کی مثالیں سامنے آتی ہیں لہٰذا ایسی صورتحال وقت کی ضرورت تھی کہ فرقہ وارانہ فضا میں امتیازی مسائل کے بارے حق و باطل کی طرح معرکہ آرائی ہو۔

ہمارے خاندان کا ذوق علمی اور دعوتی میدانوں میں بہت نمایاں تھا، جس کی وجہ سے عبادات کے علاوہ اہل حدیث کے تنظیمی مسائل پر بھی کافی لٹریچر تیار ہوا۔ اتفاق دیکھیے کہ مقلدین اس میدان میں بہت پیچھے رہے جبکہ اہل حدیث میں 'شرعی نظام' کے حوالے سے 'غرباء اہل حدیث' اور 'تنظیم اہل حدیث' وغیرہ کا وجود ان کی بیداری کا ثبوت ہے۔ مسلکی مسائل پر علمی مباحثوں اور علمائے اہل حدیث کے باہمی اختلافات کے باوجود اکابر علمائے اہل حدیث کے ہاں 'محدث روپڑی' کا علمی مقام و مرتبہ ہمیشہ مسلّمہ رہا، تاہم میں ان اختلافات کا پس منظر پہلے بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری اور غزنوی خاندان

شیخ الاسلام کی طرف سے عقیدہ کے مسائل میں تاویل کے بارے میں مولانا صفی الرحمن مبارکپوری یوں عذر پیش کرتے ہیں: چونکہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے عقیدہ صرف 'علمائے دیوبند' سے سیکھا لہٰذا وہ اشعری،

ماتریدی اندازِ تاویل کو ہی صحیح اور حق گمان کرتے تھے لہذا اسی عقیدہ کو مضبوطی سے تھام لیا جبکہ سلفی علماء کی صفوں میں یہ اندازِ فکر معروف نہ تھا[1] کیونکہ شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین دہلوی اور ان کے اکابر تلامذہ دورس حدیث میں ہی 'سلفی عقیدہ' سے کافی حد تک واقفیت حاصل کر لیتے جن میں بعض سعودی اکابر شیخ سعد بن عتیق جیسے شاگرد بھی شامل ہیں۔

پنجاب میں غزنوی علماء سلفی عقیدہ کے بارے میں بڑے حساس تھے[2] (واضح رہے کہ برصغیر پاک وہند میں پہلی دفعہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی 'الحمویۃ' نامی کتاب غزنوی مدرسہ۔ امرتسر میں داخل نصاب رہی) چنانچہ مولانا عبدالحق غزنوی نے ان کی 'تفسیر القرآن بکلام الرحمن' کے چالیس مقامات پر شدید تنقید کی حامل کتاب شائع کر دی، جس پر غزنوی اور ثنائی نزاع نے شہرت پائی حتی کہ یہ معاملہ جلالۃ الملک عبد العزیز آل سعود تک جا پہنچا تو انہوں نے اپنے چیف جسٹس شیخ عبداللہ بن بُلیہد کے ہمراہ 'حج' کے موقع پر موجود عالمی شہرت رکھنے والے سلفی علماء کو جمع کیا اور اس اجتماع میں مولانا عبد الواحد غزنوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کا اختلافی موقف تفصیل سے سنا گیا، جس کے بعد ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ کو باہمی 'صلح نامہ' تیار کیا گیا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اسماء وصفات الٰہی کی تاویلات سے رجوع کر کے 'سلفی موقف' کو 'حق' تسلیم کر لیا ہے اور اپنے آپ کو اس امر کا پابند بنایا ہے کہ وہ اپنی متنازعہ تفسیر و تاویل میں تحریراً تصحیحات شائع کریں گے، جبکہ مولانا عبد الواحد غزنوی اور ان کے رفقاء 'اربعین غزنوی' کو جلا دیں گے[3]۔

چونکہ محدث روپڑی، غزنوی خاندان کے شاگرد اور نمایاں ترجمان تھے لہذا شیخ الاسلام سے 'محدث روپڑی' کا مطالبہ صرف یہ رہا کہ سلفی عقیدہ کے خلاف جو تاویلات اسی طرح موجود ہیں ان کی تصحیح شیخ الاسلام کی طرف سے شائع ہونی چاہیے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی:

---

[1] مقدمہ عربی تفسیر القرآن بکلام الرحمن: ص،،،۱۷۔۱۸، از مولانا صفی الرحمن مبارکپوری (صاحب الرحیق المختوم)

[2] مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کے جنازے (۱۲ جولائی ۲۰۲۱ء) پر 'مرکز اہل حدیث' لارنس روڈ میں راقم کی مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کے خلف الرشید حافظ احمد شاکر ﷫ سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے کہ ابا جی کہا کرتے تھے: اہل حدیثوں کو 'ذکر و اذکار' پر لکھوی علماء نے لگایا، 'زہد و احسان' کی ترغیب غزنوی علماء نے دی اور 'توحید' کا سبق روپڑی علماء نے سکھایا۔

[3] مقدمہ تفسیر القرآن بکلام الرحمن: ص ۲۰.... (بعض علماء نے اس تفسیر میں قرآن کے بالمقابل قرآن کے لفظ سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اصطلاحاً علم کلام: فلسفہ و منطق کی رو سے بحث و مناقشہ کا نام ہے، امام ابو یوسف کہتے ہیں من تعلم بالکلام فقد تذندق لیکن یہ سوئے ظنی ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ [1]

ترجمہ: مگر وہ جنہوں نے (حق پر پردہ ڈالنے سے) توبہ کی، اپنی اصلاح کرلی اور (حق بات کو) واضح کر دیا، یہ وہ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں (انہیں معافی دیتا ہوں) کیونکہ میں بہت توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان ہوں۔

والد گرامی کہتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ اپنے تایازاد مربّی (بہنوئی) حافظ محمد اسمٰعیل روپڑی کے روادارانہ رویہ کو پسند کیا ہے۔ تاہم فکری تاریخ کو درست رکھنا بھی ضروری ہے، اگرچہ مجھے علمی مسائل میں عوام کی دھڑے بندی ہرگز پسند نہیں، اسی لئے میں فتویٰ بازی میں نہیں پڑنا چاہتا۔ شخصیات کی اختلافی بحثوں کو علماء تک محدود رہنا چاہیے بلکہ بقول حضرت علیؓ: اعرف الحق، تعرف الرجال (حق کی پہچان رکھ، شخصیات کی پہچان خود بخود ہو جائیگی) تاہم اہل علم کے رویوں میں 'مزاج' کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے حافظ عبدالرءوف صاحب سندھو کو ان کے دادا گرامی مولانا محمد اشرف سندھو سے ایک حکایت سنائی جو اس طرح ہے:

ان کے دادا گرامی مولانا محمد اشرف سندھو (صاحب نتائج التقلید وغیرہ) نے بیت اللہ میں ایک بار دیکھا کہ محدث روپڑی مولانا ثناء اللہ امر تسری کے لئے رقت آمیز دعائیں کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنے استاذ گرامی 'محدث روپڑی' سے کہا کہ آپ ایسے بزرگ کے لئے دست بدعا ہیں جن کے عقیدہ کے بارے میں آپ شدید ناقد ہیں تو محدث روپڑی فرمانے لگے کہ میں اسی لئے انکی مغفرت کے لئے 'دعا گو' ہوں۔ یہ ہے ہمارے اسلاف کا اخلاص، جس سے ہمیں سبق سیکھنا چاہیے۔

میں نے والد محترم سے ایک سوال کیا کہ کئی علمائے اہل حدیث (بھارت) 'محدث روپڑی' سے نالاں ہیں؟ جواباً اس کی وجہ والد محترم نے یہ بتائی کہ یہاں اصل مسئلہ عقیدے وغیرہ کا نہیں ہے بلکہ اس کی ایک اہم وجہ رحمانیہ (دھلی) کی انتظامی صورتحال ہے۔ چونکہ رحمانیہ کا بانی مبانی شیخ خاندان مالی طور پر 'رحمانیہ' کا خود کفیل تھا، انہوں نے شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین دھلوی کے شاگرد اکابر علمائے اہل حدیث کی مشاورت سے محدث روپڑی کو نصاب وامتحان کے کلی اختیارات دے رکھے تھے جبکہ رحمانیہ کے صدر مدرس سمیت عام اساتذہ پر یہ پابندی تھی کہ وہ محدث روپڑی (بڑے میاں) سے امتحانات کے دوران ملیں، اس کی زَد محدث روپڑی پر پڑتی۔ انسانی مزاج یہ ہے کہ جب کوئی وجہ ناگواری کی موجود ہو تو دوسرے کئی پہلو بھی نکل آتے ہیں،

[1] سورۃ البقرہ: آیت نمبر ۱۶۰

خصوصاً جب پنجاب میں جماعتی نظم 'تنظیم اہل حدیث' کے نام سے (۱۹۳۲ء میں) معرضِ وجود میں آیا تو مولانا ثناء اللہ امرتسری کی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس بھی فعّال ہو گئی۔ واضح رہے کہ دعوت مناظرہ کے میدان میں مولانا امرتسری 'شیخ الاسلام' تھے اور محدث روپڑی کا عمر و تجربہ کے اعتبار سے ابھی ابتدائی دور تھا، چنانچہ بھارت کے عام علماء پنجاب کی 'تنظیم اہلحدیث' اور استقلالِ پاکستان (۱۹۴۷ء) کے بعد 'جمعیت اہل حدیث' اور 'جماعت اہل حدیث' کے شرعی نظام (صدارت یا امارت[1]) کی اختلافی باریکیوں سے بھی زیادہ واقف نہیں کیونکہ ہفت روزہ 'تنظیم اہل حدیث' بھی ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۹ء بند رہا جبکہ جمعیت اہل حدیث (مغربی پاکستان) کے ترجمان 'الاعتصام' وغیرہ برابر شائع ہوتے رہے۔

والد محترم کہتے ہیں کہ میں نے بھارتی علمائے اہل حدیث سے اپنے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رکھے لیکن میں ۱۹۴۷ء کے بعد ایک مرتبہ بھی بھارت نہ جا سکا۔ ہمارے خاندانی 'جامعہ اہل حدیث' کا مقام تو سعودی حکمرانوں یا علماء کی نظروں میں کوئی نمایاں حیثیت کا حامل نہیں رہا، البتہ ہمارے 'جامعہ لاہور الاسلامیہ' کا مقام تو عالمی سطح پر بہت بلند و بالا ہے۔ چونکہ میری 'مدنی' نسبت خاندان کی بجائے 'روحانی' ہے، اس لئے روپڑی کہلانے والے حضرات کو میری شہرت کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میرے بھتیجوں حافظ عبدالغفار، حافظ عبدالوہاب کی قربت خونی تو ہے لیکن میں مذہبی تنظیم سازی یا میکیاولی سیاست کے گورکھ دھندوں سے نالاں ہوں، اس لئے جب بھی مل جل کر علمی اور دعوتی کاموں کو یکساں کرنے کی بات ہوئی تو سیاسی سرگرمیاں ہی رکاوٹ بنیں۔

ہمارے تین بزرگ (حافظ محمد حسین امرتسری، حافظ عبداللہ روپڑی اور حافظ محمد اسمٰعیل روپڑی) سیاسی ذہن نہ رکھتے تھے کیونکہ مذہبی جماعتوں کی سیاست ساتویں دہائی میں ابھری جبکہ یہ تینوں بزرگ اس سے بہت پہلے وفات پا چکے تھے۔ میرے برادر بزرگ حافظ عبدالقادر روپڑی سیاسی ذہن بھی رکھتے تھے لیکن میں 'شریعت بل' اور 'متحدہ شریعت محاذ' میں تو بھرپور انکا ساتھ دیتا رہا مگر 'جمہوری پارٹی' کی سیاست میں انکا ہمنوا نہیں بن سکا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تو برطانوی سامراج نے کچل دی تھی، لہٰذا انیسویں صدی کے اختتام تک تو

---

[1] افغانستان میں ریاست اور جمہوریت کی بجائے 'امارت اسلامیہ' کے نام سے جس شرعی نظام کا عاشوراء کے دن اعلان ہوا ہے، اس میں یہی وہ علمی نکتہ ہے جو عام لوگوں کو سمجھ نہیں آ رہا۔ اہل حدیث کے سیاسی اکابر کو اب 'امارت اسلامیہ' کے حوالہ سے یہی چیلنج درپیش ہے۔ علمائے اہل حدیث انتظار میں ہیں کہ سیاسی لوگ کیا موقف اختیار کرتے ہیں؟

سیکولرزم ہی چھایا رہا البتہ بیسویں صدی کی ابتداء سے بیداری کی بعض تحریکوں نے جنم لیا تو تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات جیسی سرگرمیاں بھی سامنے آئیں جو استقلال پاکستان پر منتج ہوئیں۔ ہمارے بزرگوں کی بھرپور توجہ علم ودعوت کی طرف رہی لیکن فرقہ ورانہ فضا میں جعلی نبوت اور عیسائیت وغیرہ کی مشنری سرگرمیوں میں مسلمان فرقوں کی مناظرہ بازی کو بھی عروج مل گیا جس نے تقسیم در تقسیم گروہوں کی شکل اختیار کرلی۔

پنجاب میں اہل حدیث کی تنظیم سازی

جب جماعت سازی کا تصور برطانوی سامراج کے خلاف ابھرا تو اہل حدیث علماء 'جماعۃ المجاہدین' کی نہج پر غور و فکر کی طرف مائل ہوئے، کیونکہ برطانوی سامراج کے لادین نظام (Seqularism) کے بالمقابل ان کا تصور سارے برصغیر کو منظم کرنے کا تھا۔ اگرچہ بعد میں ان کا اختلاف اس امر پر ہوا کہ ایسی جماعت امامت کبریٰ (خلافت) کے اختیارات کی حامل ہو گی یا چھوٹے نظم (امامت صغریٰ) کی طرح ہو گی۔ اول الذکر گروہ نے امامت کبریٰ کے تصور سے 'جماعت غرباء اہل حدیث' بنائی جبکہ محدث روپڑی کا تصور 'امارت صغریٰ' کا تھا، اس لئے شرعی نظم کے مطابق ۱۹۳۲ء میں 'تنظیم اہل حدیث' معرضِ وجود میں آئی، لیکن استقلالِ پاکستان کے بعد جمہوری سیاسی پارٹیوں کے نظریات کے مطابق جب مولانا داؤد غزنوی اور ان کے سیاسی رفقاء نے 'جمعیت اہل حدیث' کے نام سے ایک سیاسی پارٹی بنائی تو سوال پیدا ہوا کہ اب ایسی تنظیموں کی اسلامی جمہوریہ پاکستان میں باضابطہ مسلمان حکومت کے بالمقابل کیا حیثیت ہے؟ مولانا داود غزنوی جو 'خلافتِ عثمانیہ' کی حمایت میں برصغیر کی سیاست میں بھی سرگرم رہے، انہوں نے مسلم لیگ کی بجائے بظاہر مسلکی تنظیم 'جمعیت اہل حدیث' کے نام سے بنائی لیکن اس کا 'نظام' عام سیاسی جماعتوں کی طرز پر تھا، تاکہ مسلکی عوامی طاقت کے ذریعے اقتدار یا کم از کم سیاسی پریشر استعمال کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں شرعی نظام کی بحث ہی فضول تھی۔ 'جمعیت اہل حدیث' پہلے تو اہل حدیث مبلغین کے ذریعے مسلک کی تبلیغ و دعوت کا کام بھی کرتی تھی لیکن ۱۹۷۰ء کے بعد جب تمام مسالک اپنی تنظیموں کے ذریعے ملکی سیاست میں آ گئے تو اصل مسئلہ 'اقتدار' بن گیا۔ سیاسی پارٹیاں جس طرح اقتدار کے لئے 'میکیاولی سیاست' کرتی ہیں وہی جوڑ توڑ مسلکی جماعتوں میں بھی در آیا۔ مقلدین کے ہاں تو 'شخصیت پرستی' کی وجہ سے زیادہ حصے بکھرے نہیں ہوئے لیکن عوام 'اہل حدیث' غیر مقلد ہونے کی بناء پر کسی اجتماعی نظم کے بھی پابند نہیں ہوتے۔

'جمعیت' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا اردو ترجمہ 'انجمن' ہے۔ جدید معاشرتی علوم میں 'انجمن' علمی،

تحقیقی، رفاہی وغیرہ سماجی اداروں کی صورت بنائی جاتی ہے جبکہ 'جمعیت اہل حدیث' سیاسی پارٹی کے طور پر 'الیکشن کمیشن' میں باضابطہ رجسٹرڈ ہے، اسی لئے مسلک سے زیادہ اقتدار کے حوالے سے اس کے مختلف دھڑے بنتے رہتے ہیں جنھیں جماعتی نظم اور سیاسی قوت کے لئے کئی بار اکٹھا کرنے کی کوششیں ہوئیں، تو(محترم علامہ احسان الٰہی ظہیر کی شہادت کے بعد) پہلی دفعہ پانچوں اہلحدیث تنظیمیں متحد ہو گئیں تو ان کا نام 'آل پاکستان اہل حدیث اتحاد کونسل'(مجلس اتحاد أهل الحديث باكستان) طے پایا، جس کے باضابطہ نظم کے تحت مولانا معین الدین لکھوی دو سال کے لئے پہلے امیر اور ان کے بعد حافظ عبد القادر روپڑی امیر بنائے گئے، جبکہ والد محترم عملی طور پر ہمیشہ 'معتمد' رہے لیکن جب پانچوں تنظیموں کے نمائندہ وفد (جس میں والد محترم بھی شامل تھے) نے میاں نواز شریف برادران سے ملاقات میں یہ باور کرادیا کہ ہم تمام اہل حدیث دھڑے ایک ہو کر سیاست میں آپ کے لئے کام کریں گے اور اسی بنا پر جمعیت اہل حدیث (میاں فضل حق گروپ) پہلے پروفیسر ساجد میر کے لئے سینٹ میں اور میاں عبد الرزاق کے لئے صوبائی اسمبلی میں دو سیٹیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا رہا اور اب انہیں سینٹ میں دو سیٹیں ملی ہوئی ہیں لیکن والد محترم تیس پنتیس سال سے کئی بار پروفیسر ساجد میر صاحب کو اہل حدیث اتحاد کونسل کے پلیٹ فارم سے اکٹھا رکھنے کے لئے باضابطہ اجتماعات بلانے پر زور دیتے رہے ہیں لیکن پروفیسر صاحب ہمیشہ کنی کتراتے ہیں[1] حالانکہ اہل حدیث

---

[1] چند سال قبل والد محترم نے تقریباً پانچ سو علمائے اہل حدیث کا کونشن بلا کر پروفیسر ساجد میر صاحب سے اس کی صدارت کروائی۔ اس کونشن میں والد محترم اور علامہ ابتسام الٰہی ظہیر نے گھنٹہ بھر وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (الفرقان:۳۰) پر خطاب کیا اور والد محترم نے قائداعظم محمد علی جناح جیسے قانون دان کے حوالہ سے پُرزور دلائل کے ساتھ واضح کیا کہ دنیا بھر میں دینی ریاستوں کے لئے الہامی کتابوں کو ہی دستور بنانے پر اتفاق پایا جاتا ہے جیسا کہ 'اسرائیل' کا دستور 'تورات' ہی ہے۔ لہٰذا پاکستان میں مولانا سمیع الحق شہید اور قاضی عبد اللطیف کی طرح سینٹ میں ایک 'شریعت بل' ہی پیش کر دیا جائے تاکہ پاکستان میں سعودی عرب کی طرح 'قرآن کریم' دستور قرار پانے کی راہ ہموار ہو سکے، لیکن پروفیسر صاحب ہر بار یہی جواب دے رہے ہیں کہ سعودی عرب کے دستور اور حکومت سے وہ زیادہ واقف ہیں کیونکہ کتاب و سنت 'دستور' بن ہی نہیں سکتے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ پروفیسر کا سیاسی 'قد و قامت' بہت بڑا ہے لیکن علمی میدان میں وہ مدنی صاحب سے بخوبی واقف ہیں کہ عرب ممالک میں انکی حیثیت کیا ہے ؟! حتی کہ بڑے بڑے علمی اور سرکاری مناصب کے حامل بشمول محدث مدینہ منورہ (فضيلة الشيخ الأستاذ الدكتور عبدالرزاق البدر بن عبدالمحسن العبّاد) ان کا بیٹا بننے میں 'فخر' محسوس کرتے ہیں کیونکہ

کے تمام دھڑے منتشر ہیں.......... والی اللہ المشتکی

پاکستان میں اہل حدیث کی الجھن یہ ہے کہ اہل حدیث کی تعداد حنفی فرقوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے جبکہ انکی کئی تنظیمیں بھی ہیں، لہذا جب وہ انتخاب لڑتے ہیں تو کسی بڑی جماعت (مسلم لیگ وغیرہ) کا دُم چھلہ بن کر ایک دو سیٹیں حاصل کر لیتے ہیں لیکن اپنی عوامی اہل حدیث طاقت سے جمہوری انتخاب میں ان کے کھڑے ہونے کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ روپڑی جماعت اہل حدیث کا دعوی تو تھا کہ ہم شرعی نظم رکھنے کی وجہ سے کسی دوسری تنظیم میں شامل نہیں ہو سکتے لیکن اس جماعت کے ذمہ داران اب کسی شرعی نظم کا دعوی ہی نہیں رکھتے، بلکہ انہیں ایسے شرعی نظم کے مبادیات کا بھی علم نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم 'مدنی' کہلانے والے تعلم و تحقیق کے کاموں کے لئے وقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی توفیق دے۔ آمین

محدث روپڑی اور مولانا ثناء اللہ امر تسری

والد گرامی نے بتایا کہ مولانا ثناء اللہ امر تسری اور محدث روپڑی کے مابین عقیدہ کے کئی مسائل میں علمی اختلافات تھے، جن کا آغاز در اصل مولانا محمد حسین بٹالوی اور غزنوی علماء سے ہوا تھا اور علمائے غزنویہ میں سے مولانا عبدالحق غزنوی نے اربعین غزنوی لکھ کر مولانا امر تسری کی تفسیری کوتاہیوں کی نشاندہی کی۔ چونکہ مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا عبدالجبار غزنوی دونوں محدث روپڑی کے علمی رہنما تھے، جیسا کہ مولانا بٹالوی نے ہی تحصیل علم کے بعد ۱۹۱۵ء میں محدث روپڑی کو 'روپڑ' میں تعلیمی اور تبلیغی کام کرنے کی ہدایت کی تھی۔

دادا گرامی میاں روشن دین نے مولانا محمد حسین بٹالوی سے دوستانہ تعلقات کی بنا پر ہی ہمارے دادا کا نام 'محمد حسین' رکھا تھا اسی طرح دادا گرامی حافظ محمد حسین امر تسری کے حسن و جمال اور علم و فضل کی وجاہت سے متاثر ہو کر، مولانا محمد اسحاق بھٹی نے اپنے چھوٹے بھائی محمد الیاس کا نام 'محمد حسین' رکھوایا جس کی تفصیل ان کی کتاب 'دبستانِ حدیث' میں موجود ہے۔

اِن دونوں بزرگوں کے ناطے محدث روپڑی نے اس علمی وراثت کو نبھایا۔ محدث روپڑی کے علم و فضل اور

مدنی صاحب ان کے عقائد اور حکومتی نظاموں کے زیادہ بہتر ترجمان ہیں بلکہ بعض تو آپ کو 'شیخ الاسلام' کے لقب سے بلاتے ہیں۔

تقویٰ کا اکابر علمائے اہل حدیث بڑا دھیان رکھتے، جس کی ایک مثال مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ہیں جو عملاً مولانا ثناء اللہ امرتسری کے زندگی بھر ساتھی رہے لیکن مرض الموت میں یہ وصیت کر گئے کہ میرا جنازہ محدث روپڑی پڑھائیں۔ چنانچہ ۱۹۵۴ء میں انکی رحلت پر محدث روپڑی نے ہی سیالکوٹ پہنچ کر ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

محدث روپڑی نے فارغ التحصیل ہوتے ہی مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر صحابہ کے موقف پر تنقیدی کتاب 'درایتِ تفسیری' لکھی، جسے دادا گرامی شیخ التفسیر حافظ محمد حسین امرتسری بہت سراہتے۔ ہمارے محترم والد ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی مدظلہ العالی نے مجھے (ڈاکٹر حافظ حسن مدنی) اور برادرانِ عزیز ڈاکٹر حافظ انس نضر اور ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی کو بارہا کہا کہ اس کتاب کو امام بخاری کے بعض الناس کی طرح یوں ترتیب دو کہ اس سے 'ثنائی روپڑی نزاع'[1] نکل جائے اور صرف علمی مسائل ہی باقی رہ جائیں۔ برادرِ عزیز نے کئی مرتبہ یہ کتاب سبقاً سبقاً پڑھائی ہے، ان شاء اللہ وہ وقت بھی آئے گا جب والدِ محترم کی اس مبارک خواہش کو پورا کرنے کی اللہ کریم ہم بھائیوں کو توفیق دے گا۔ آمین

علمی مباحث

① دادا جان نے اپنے بڑے بھائی کی طرح عربی متون اور زبان کے علوم (صرف و نحو اور بلاغت وغیرہ) مشہور امامِ فن (اہل حدیث ادیب) مولانا محمد سورتی سے پڑھے اور ساتھ ہی کئی سال انکے بچوں کو بھی پڑھایا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ منظم مزاج ہونے کی بنا پر اپنی گفتگو اور مناقشوں میں اصول و قواعد کا زیادہ دھیان رکھتے تھے۔ ان کا بیان و خطابت بھی موضوع پر رہتے ہوئے زور دار ہوتا۔

ہم پہلے قادیانیوں سے انکے ایک مناظرے کی روئیداد ذکر کرتے ہیں، یہ مناظرہ 'پشاور' میں ہوا اور موضوع حیاۃ و مماۃ مسیح' تھا، انہوں نے اپنی پہلی دلیل قرآن کریم کی وہی آیت بنائی جو قادیانی اپنے موقف کو

---

[1] برصغیر پاک وہند میں علمی اختلافات کی تحقیق کی بجائے فرقہ بندی پر زور ہے۔ جو جزوی مسائل پر مناظروں سے پروان چڑھتا ہے، چنانچہ چند ایک جزوی اختلافات پر ہی نیا دھڑا کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے جزوی مسائل پر فرقے اور دھڑے بنتے رہتے ہیں جسے 'مذہبی سیاست' کہا جاتا ہے۔ عوام علمی اختلاف کی بنیادوں سے تو واقف نہیں ہوتے، مناظروں میں اپنے اپنے دھڑوں کے علماء کو مجتہد العصر، محقق العصر اور محدث دوراں وغیرہ کے القاب دے کر مطمئن ہو جاتے ہیں، لہذا ہر علمی اختلاف 'نزاع' بن جاتا ہے، اسی مفہوم میں 'روپڑی ثنائی نزاع' مشہور ہے۔

ثابت کرنے کے لئے اہم دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے عربی قواعد کے مطابق اسکا صحیح ترجمہ یوں کیا:

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (سورۃ بقرہ:۵۵)

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے عیسیٰؑ! میں پورے جسم و جان سمیت تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں انہوں نے لفظ رَافِعُكَ اور حرف جار إِلَيَّ پر زور دیتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ کا عیسیٰؑ کو جسم و جان سمیت اپنی طرف اٹھانا' ہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ قادیانی مناظر اس اندازِ حجت سے ناواقف تھا، اس نے ادھر اُدھر کی باتیں کر کے منتشر تاویلوں کی کوشش کی لیکن دادا گرامی نے اپنی باری پر پھر یہی دلیل مزید وضاحت سے پیش کرتے ہوئے کہا کہ پہلے اس آیت کریمہ کا جواب دو، پھر دوسری بات سنی جائیگی۔ آخر کار وہ لاجواب ہو گیا اس پر اسکے ساتھیوں نے 'بہن کی گندی گالی دیکر' اسے کہا کہ میدان میں آکر گھوڑے کو دانہ دیتے ہو!

جامد مقلدین حنفیہ سے مناظرہ

④ یہ مناظرہ شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی صدارت میں ہوا تھا اور 'حنفیہ' کی طرف سے ان کے مایہ ناز عالم (مدرس) مناظر تھے جبکہ ان کے مقابل ہمارے خاندان کے مشہور مناظر حافظ عبدالقادر روپڑی کھڑے ہوئے تو مناظرہ پر باقاعدہ گفتگو سے قبل ہی یہ اعتراض اٹھادیا گیا کہ حافظ عبدالقادر روپڑی 'مولوی فاضل' نہیں ہیں (واضح رہے کہ برطانوی دور حکومت میں 'مولوی فاضل' یونیورسٹی دیتی تھی لہذا وہ Ph.D کی طرح یونیورسٹی کی معیاری ڈگری سمجھی جاتی تھی) اس عذر کو ختم کرنے کے لئے دادا گرامی (جو مولوی فاضل بھی تھے) میدان میں آگئے۔

مناظرہ کی ابتداء ہی میں مقلد مناظر نے یہ موقف اختیار کیا کہ اہل حدیث صرف صحیح بخاری کو مانتے ہیں لہذا 'فاتحہ خلف الامام' بھی جامع بخاری سے ہی ثابت کریں جسے بر سبیل تنزّل قبول کرتے ہوئے دادا گرامی نے بخاری کی حدیث لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ پڑھ کر امام بخاری کا باب 'وجوب القراءة للإمام والمأموم.... بھی پڑھا جس کا ترجمہ: امام اور مقتدی وغیرہ پر ہر قسم کی نمازوں میں فاتحہ خلف الامام

واجب ہے۔ آپ نے تشریح کرتے ہوئے اپنے موقف کی تائید میں کہا کہ امام بخاری نے اسی حدیث سے اپنا موقف (فاتحہ خلف الامام) ثابت کیا ہے، دادا گرامی کا منطقی استدلال یوں تھا کہ یہاں حرف 'لا' نفی جنس کا صور (علامت) ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر کسی بھی قسم کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ 'لا' کے ذریعے 'جنسِ صلاۃ' کی نفی ہو رہی ہے خواہ وہ امام کی ہو یا مقتدی کی (واضح رہے کہ برصغیر کے مدارس میں منطق و فلسفہ کے علوم فنونِ حکمت کے نام سے بہت محنت سے پڑھائے جاتے ہیں اور شریعت کے تشریح میں انہیں خوب استعمال کیا جاتا رہا ہے) دادا گرامی منطق فلسفہ کے بھی بڑے ماہر استاد تھے۔ عام علماء سے انکا امتیاز یہ تھا کہ وہ عملی طور پر جہاں علوم 'آلیہ' کے اجراء کے ماہر تھے وہاں کتاب و سنت کی گہری سوجھ بوجھ کی بنا پر ان کی اطلاقی جہتوں سے بخوبی آگاہ تھے لہٰذا وہ اسی اطلاق (Aplication) کی طرف مناظروں میں زیادہ توجہ دیتے، اسی اجتہاد و اطلاق کو امام شافعی نے اپنی کتاب الرسالۃ میں 'قیاس و استنباط' کا نام دیا ہے اور اسی کو امام بخاری دلیل و استدلال سے تعبیر کرتے ہیں۔

چونکہ اس انداز کی بحث میں جواب بھی گرامر یا منطق و فلسفہ وغیرہ سے ہی دیا جاتا تھا کیونکہ درس نظامی میں کافیہ 'شرح جامی جیسی کتابیں منطقی اسلوب میں ہی لکھی گئی ہیں۔ جب حنفیہ کے امرتسر میں بہت بڑے عالم گرامر یا منطق و فلسفہ کی بجائے اِدھر اُدھر سے جواب دینے لگے تو اعتراض اٹھا کہ آپ کی مرکزی شرط صحیح بخاری اور امام بخاری ہیں، لہٰذا مناظرہ کو ان کی حدود میں رکھا جائے۔ طوالت کے خطرہ کے پیش نظر شرح جامی اور حاشیہ عبدالغفور وغیرہ کے وہ نکتے چھوڑے جا رہے ہیں جو دادا گرامی نے پیش کیے۔ (والد محترم کو گرامر کی مذکورہ بالا کتابوں کی تمام تفصیلات ازبر ہیں) مختصر یہ کہ انہی دلائل کے مقابلہ میں جب حنفیہ کی طرف سے معقول جواب نہ آیا تو اہل حدیث نے کہا کہ ہم عصر کی نماز پڑھ لیتے ہیں، اسی وقفہ میں باہمی تبادلہ خیال سے جواب سوچ لیا جائے۔ جب اہل حدیث نماز عصر میں مشغول ہو گئے تو حنفیہ نے یکّے (گھوڑا گاڑی) پر کتابیں رکھیں اور اپنی راہ لی۔

اہل حدیث مسلک کے دو گروہوں کا مناظرہ

اگرچہ موجودہ دور میں 'مناظرے' پسند نہیں کیے جاتے کیونکہ یہ فرقہ بندی کو فروغ دیتے ہیں لیکن استقلال پاکستان سے قبل تو یہ مناظرے 'علمی معرکے' سمجھے جاتے تھے (درس نظامی میں 'رشیدیہ' نامی کتاب مناظرہ کی مہارت کی غرض سے ہی رکھی گئی ہے) جب ایسے حالات میں ثنائی غزنوی نزاع بھی 'محدث روپڑی'

کی طرف منتقل ہو گیا تو ہمارا خاندان بھی اسی میں کود پڑا۔اسی سلسلہ میں ایک مناظرہ (باہمی اہل حدیث) کی کہانی یوں ہے کہ دادا گرامی کے چھوٹے بھائی (حافظ عبد الرحمن کیمرپوری) امرتسر کے لوہاری دروازے کی مسجد میں اسکے خطیب مولانا عبد اللہ ثانی (تلمیذ رشید مولانا ثناء اللہ امرتسری) سے ایک اہم موضوع (کیا جس جنت سے آدمؑ کو نکالا گیا، اسی میں دوبارہ داخل کیا جائے گا؟) پر درس دیتے ہوئے مناظرہ کرنے لگے تو مناظرہ کئی گھنٹوں پر پھیل گیا اور کوئی فیصلہ نہ ہو پا رہا تھا کہ اسمٰعیل نامی (ایک بزرگ لوہار جو جمعہ دادا گرامی کی مسجد میں پڑھا کرتے تھے) وہاں سے اٹھ کر دادا گرامی کے پاس پہنچے کہ وہاں مسئلہ کی مناسب وضاحت ہونی چاہیے۔چنانچہ دادا گرامی عوام اہل حدیث کو علمی الجھاؤ سے نکالنے کے لئے لوہاری دروازے کی مسجد اہل حدیث پہنچ گئے۔پھر چند باتیں سن کر کھڑے ہو گئے کہ عوام نے صرف مناظرہ سننا ہے یا مسئلہ سمجھنا ہے۔اگر مسئلہ سمجھنا ہے تو میں پانچ منٹ میں سمجھا سکتا ہوں (ان شاء اللہ) اس پر حضرت مولانا عبد اللہ ثانی گویا ہوئے کہ کئی گھنٹوں میں تو مسئلہ حل نہیں ہو پا رہا، آپ صرف ۵ منٹ میں کیسے سمجھائیں گے؟ دادا گرامی کہنے لگے کہ میں صرف ۵ منٹ لوں گا اس سے زیادہ نہیں۔اس پر سامعین کا پرزور مطالبہ ہوا کہ حافظ محمد حسین صاحب کو چند منٹ بولنے کا موقع دیا جائے، مسجد ھذا کے خطیب اس کا انکار نہ کر سکے تو دادا گرامی سٹیج پر آ گئے اور موقف کی وضاحت علمی یوں فرمائی:

زیر بحث صحیح حدیث کی متنوع روایات میں 'میں آدمؑ کا جنت سے نکل کر دوبارہ اسی جنت میں داخل ہو

---

1 حدیث رسول ﷺ میں جنت سے دونوں جگہ 'آسمانی جنت' ہی مراد ہے، حدیث ہذا کی متعدد روایتیں ہیں جو درجہ کے اعتبار سے اعلیٰ اور ادنیٰ ہونے کے باوصف ایک دوسرے کی مؤید ہیں۔حافظ ابن کثیر نے بحوالہ المستدرک للإمام حاکم رحمه الله اور تفسير القرآن العظيم لابن أبی حاتم رحمه الله (مذکورہ روایات اور ان کی تخریج وغیرہ کرتے ہوئے) طویل گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ یوں ہے:اس حدیث کو عوفی، سعید بن جبیر اور سعید بن معبد نے سیدنا ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں ابن جبیر سے سیدنا ابن عباسؓ کی یہ حدیث روایت کی ہے، چنانچہ السدی (الکبیر) اور عطیہ عوفی نے اس حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے ایک ہی جنت مراد لی ہے۔(ابن کثیر ج ۱ ص ۱۱۱) سعودی عرب کے اجل محقق شیخ عبد العزیز الراجحی نے بھی اپنی ضخیم شرح تفسیر ابن کثیر ج ۲۹ ص ۹... صوتیاً میں زیر بحث احادیث کی تحقیق و تخریج کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر کی نسبت سے ایک روایت کو صحیح قرار دیا ہے جبکہ دیگر روایات اس کی مؤید ہیں۔

جانا مراد ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں جنت کا ذکر بصورۃ معرفہ دو دفعہ آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں جگہ مراد ایک ہی ہے۔ اس مفہوم کے درست ہونے کی دلیل دادا گرامی نے گرامر کے معروف قاعدہ (جب معرفہ کا تکرار ہو تو دونوں سے مراد ایک ہی ہوتی ہے) پیش کرتے ہوئے اس قاعدہ کے لئے (سورۃ الم نشرح: آیت ۵۔۶) فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (۵) إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (۶) (بیشک تنگی سے قبل آسانی ہوتی ہے اور بلاشبہ اسی تنگی کے بعد دوسری آسانی مل جاتی ہے) کو محلِ شاھد بنایا کہ 'یسرا' دونوں دفعہ نکرہ آیا لیکن 'العسر' معرفہ ہے لہذا دو دفعہ العُسر سے مراد ایک ہی تنگی ہے۔

مولانا عبد اللہ ثانی نے اس قاعدہ کے خلاف اپنی دلیل قرآن کریم کی سورۃ المائدہ: آیت نمبر ۴۵ (وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ..... الآية) ترجمہ: ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم (قانون) نافذ کیا تھا کہ النفس (مقتول) کے بدلے النفس (قاتل) قصاص میں مارا جائے گا... پیش کی اور کہا کہ النفس (معرفہ) دو دفعہ وارد ہوا ہے، مراد مختلف ہے تو یہ قاعدہ غلط ٹھہرا۔ دادا گرامی نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں النفس دو دفعہ کے درمیان عوض بتانے کے لئے (ب) موجود ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ یہاں قصاص (برابر کا بدلہ) مراد ہے ابن عباسؓ کی زیرِ بحث حدیث میں کہیں 'ب' موجود نہیں، اس پر مولانا عبد اللہ ثانی مرحوم خاموش ہو گئے اور مسئلہ پانچ منٹ میں حل ہو گیا۔

عوام علمی باریکیوں سے تو واقف نہیں ہوتے، انہیں یہ زور دار بات یاد رہی کہ دادا گرامی کی 'ب' کا جواب مولانا ثانی نہ دے سکے۔ پورے امرتسر میں یہ شہرہ ہو گیا کہ مولانا عبد اللہ ثانی کو 'ب' نہیں آئی۔ والد محترم کہتے ہیں کہ ایسی باتیں ذکر کرنے کو دل نہیں چاہتا لیکن برصغیر میں فکری ارتقاء کی تاریخ پیش کرتے ہوئے خاموشی بھی روا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دھڑے بندی کے فتنے سے بچا کر رکھے۔ آمین

.1 The United States will request the recognition and endorsement of the United Nations Security Council for this agreement.

.2 The United States and the Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban seek positive relations with each other and expect that the relations between the United States and the new post-settlement Afghan Islamic government as determined by the intra-Afghan dialogue and negotiations will be positive.

.3 The United States will seek economic cooperation for reconstruction with the new post- settlement Afghan Islamic government as determined by the intra-Afghan dialogue and negotiations, and will not intervene in its internal affairs.

Signed in Doha, Qatar on February 29, 2020, which corresponds to Rajab 5, 1441 on the Hijri Lunar calendar and Hoot 10, 1398 on the Hijri Solar calendar, in duplicate, in Pashto, Dari, and English languages, each text being equally authentic.

https://www.state.gov/wp-content/uploads/2020/02/Agreement-For-Bringing-Peace-to-Afghanistan-02.29.20.

no place in Afghanistan, and will instruct members of the Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban not to cooperate with groups or individuals threatening the security of the United States and its allies.

.3 The Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban will prevent any group or individual in Afghanistan from threatening the security of the United States and its allies, and will prevent them from recruiting, training, and fundraising and will not host them in accordance with the commitments in this agreement.

.4 The Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban is committed to deal with those seeking asylum or residence in Afghanistan according to international migration law and the commitments of this agreement, so that such persons do not pose a threat to the security of the United States and its allies.

.5 The Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban will not provide visas, passports, travel permits, or other legal documents to those who pose a threat to the security of the United States and its allies to enter Afghanistan.

PART THREE

Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban from the sanctions list with the aim of achieving this objective by May 29, 2020, which corresponds to Shawwal 6, 1441 on the Hijri Lunar calendar and Jawza 9, 1399 on the Hijri Solar calendar.

F. The United States and its allies will refrain from the threat or the use of force against the territorial integrity or political independence of Afghanistan or intervening in its domestic affairs.

PART TWO

In conjunction with the announcement of this agreement, the Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban will take the following steps to prevent any group or individual, including al-Qa'ida, from using the soil of Afghanistan to threaten the security of the United States and its allies:

.1 The Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban will not allow any of its members, other individuals or groups, including al-Qa'ida, to use the soil of Afghanistan to threaten the security of the United States and its allies.

.2 The Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban will send a clear message that those who pose a threat to the security of the United States and its allies have

building measure with the coordination and approval of all relevant sides. Up to five thousand (5,000) prisoners of the Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban and up to one thousand (1,000) prisoners of the other side will be released by March 10, 2020, the first day of intra-Afghan negotiations, which corresponds to Rajab 15, 1441 on the Hijri Lunar calendar and Hoot 20, 1398 on the Hijri Solar calendar. The relevant sides have the goal of releasing all the remaining prisoners over the course of the subsequent three months. The United States commits to completing this goal. The Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban commits that its released prisoners will be committed to the responsibilities mentioned in this agreement so that they will not pose a threat to the security of the United States and its allies.

D. With the start of intra-Afghan negotiations, the United States will initiate an administrative review of current U.S. sanctions and the rewards list against members of the Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban with the goal of removing these sanctions by August 27, 2020, which corresponds to Muharram 8, 1442 on the Hijri Lunar calendar and Saunbola 6, 1399 on the Hijri Solar calendar.

E. With the start of intra-Afghan negotiations, the United States will start diplomatic engagement with other members of the United Nations Security Council and Afghanistan to remove members of the Islamic Emirate of

(14) months following announcement of this agreement, and will take the following measures in this regard:

A. The United States, its allies, and the Coalition will take the following measures in the first one hundred thirty-five (135) days:

(1 They will reduce the number of U.S. forces in Afghanistan to eight thousand six hundred (8,600) and proportionally bring reduction in the number of its allies and Coalition forces.

(2 The United States, its allies, and the Coalition will withdraw all their forces from five
(5)military bases.

B. With the commitment and action on the obligations of the Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban in Part Two of this agreement, the United States, its allies, and the Coalition will execute the following:

(1 The United States, its allies, and the Coalition will complete withdrawal of all remaining forces from Afghanistan within the remaining nine and a half (9.5) months.

(2 The United States, its allies, and the Coalition will withdraw all their forces from remaining bases.

C. The United States is committed to start immediately to work with all relevant sides on a plan to expeditiously release combat and political prisoners as a confidence

which corresponds to Rajab 15, 1441 on the Hijri Lunar calendar and Hoot 20, 1398 on the Hijri Solar calendar.

.4 A permanent and comprehensive ceasefire will be an item on the agenda of the intra-Afghan dialogue and negotiations. The participants of intra-Afghan negotiations will discuss the date and modalities of a permanent and comprehensive ceasefire, including joint implementation mechanisms, which will be announced along with the completion and agreement over the future political roadmap of Afghanistan.

The four parts above are interrelated and each will be implemented in accordance with its own agreed timeline and agreed terms. Agreement on the first two parts paves the way for the last two parts.

Following is the text of the agreement for the implementation of parts one and two of the above. Both sides agree that these two parts are interconnected. The obligations of the Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban in this agreement apply in areas under their control until the formation of the new post-settlement Afghan Islamic government as determined by the intra-Afghan dialogue and negotiations.

PART ONE

The United States is committed to withdraw from Afghanistan all military forces of the United States, its allies, and Coalition partners, including all non-diplomatic civilian personnel, private security contractors, trainers, advisors, and supporting services personnel within fourteen

Agreement for Bringing Peace to Afghanistan

between the Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban and the United States of America

February 29, 2020

which corresponds to Rajab 5, 1441 on the Hijri Lunar calendar and Hoot 10, 1398 on the Hijri Solar calendar

A comprehensive peace agreement is made of four parts:

.1 Guarantees and enforcement mechanisms that will prevent the use of the soil of Afghanistan by any group or individual against the security of the United States and its allies.

.2 Guarantees, enforcement mechanisms, and announcement of a timeline for the withdrawal of all foreign forces from Afghanistan.

.3 After the announcement of guarantees for a complete withdrawal of foreign forces and timeline in the presence of international witnesses, and guarantees and the announcement in the presence of international witnesses that Afghan soil will not be used against the security of the United States and its allies, the Islamic Emirate of Afghanistan which is not recognized by the United States as a state and is known as the Taliban will start intra-

علوم وفنون، افکار ونظریات اور تنظیموں وتحریکوں کے مرکز 'لاہور' میں عظیم الشان لائبریری

المكتبة الرحمانية

اساتذہ، محققین اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی علمی ضروریات کا اہم مرکز ومرجع

خصوصیات

- ہمہ نوعیت کے موضوع پر 45 ہزار علمی ودینی کتابیں
- بین الاقوامی DDC لائبریری سکیم کے تحت مرتب شدہ
- لائبریری میں موجود کتب کو گھر بیٹھے سرچ کرنے کی آن لائن سہولت
- پاکستان میں 900 دینی رسائل وجرائد کے شماروں کا سب سے بڑا مرکز
- فاضل شخصیات اور ماہر لائبریرین کے ذریعے موضوع تک رہنمائی
- قدیم وجدید تحقیقات کے حامل جدید ایڈیشن
- عرب ممالک سے شائع ہونے والی نئی کتب کا مرکز
- فوٹو کاپی کروانے کی سہولت اور مسجد کا انتظام
- پرسکون محل وقوع اور تعلیمی اداروں کے سنگم میں

سہولیات

- جملہ اُردو عربی تفاسیر اور علومِ قرآن کی تمام کتب
- حدیث نبوی، شروح حدیث اور علوم قرآن کے بیشتر مراجع
- فقہی مذاہب خمسہ کی اُمہات الکتب اور جدید فقہی موضوعات کا مستند ذخیرہ
- اسلامی سیاسیات واقتصادیات اور عمرانیات وغیرہ سے متعلقہ بیش بہا خزانہ
- اسلامی قانون سے متعلقہ جملہ اہم پہلوؤں پر اَسلاف کا نادر علمی ورثہ
- Ph.D وغیرہ محققین کے لیے علمی رہنمائی اور مشاورت

اوقات صبح 09:00 بجے تا شام 05:00 بجے (چھٹی بروز جمعہ)

ایئر کنڈیشنڈ ہال

بمقام ادارہ 'محدث' 99/ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور 042-35866396 لائبریرین: محمد اصغر 0305-4600861

CPL No. 49
Vol. 52 No. 2
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

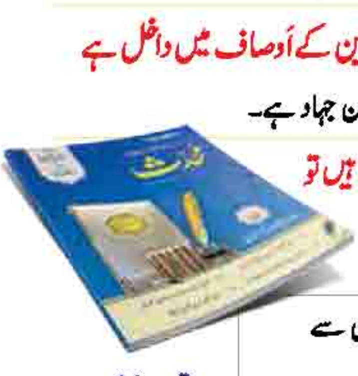

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ **محدث** لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے
- زرِ سالانہ ۳۰۰ روپے

Designing: AK 0321-4966404